حفیظ کی خامیاں

گوشہ نشین

بیاورید گر اینجا بود سخن دانے

حفیظ کی خامیاں

از

شاہنامہ اسلام حصہ اوّل و نغمۂ زار

مُصنّفہ

فقیر بے شرب سیّد برکت علی گوشہ نشین وزیر آباد

ملنے کا پتہ

گوشہ نشین ۔ وزیر آباد پنجاب

قیمت ۱۲ر (محبوب عالم پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام بابو محمد الف خان مینجر) بار اول

فہرست

سنہ ۱۹۳۰ء

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	درست
۴	۱۴	کم	کہ
۷	۱۳	رسم	رحم
۲۶	۹	بلاوجہ شعر	بلاوجہ شعری
۳۱	۲	اور یہی کی بجائے یہ لکھتا	×
۳۲	۱۸	گناہِ ہمت پرستی ۔	گناہِ بُت پرستی
۳۳	۶	(۳۴)	×
۳۶	۱۲	ص ۳۶	ص ۶۰
۴۰	۵	ان لفظ	اس لفظ
۵۷	۱۹	من سلوئی	من و سلوئی
۱۰۳	۸	ہوں	یوں
۱۰۸	۲	ملے	ہم
۱۰۸	۱۳	کھینچتے	کھنچے
۱۳۲	۱۴	چنگ	جنگ
۱۳۷	۱	نمبر ا	نمبر ۲۱
۱۳۷	۹	اساتزہ	اساتذہ
۱۳۸	۳	ذیل کے اشعر	ذیل کا شعر
۱۴۰	۹	مثال دور	مثال دُود
۱۵۷	۲	معیانہ	میانہ
۱۵۷	۴	مقتضیات	مقتضیات
۱۶۰	۲۰	صیغۂ جمع	صیغۂ واحد

خاصیارکہ

خاصیالہ

وجہ تصنیف

لے ہنرہا نہادہ بر کفِ دست
عیبہا برگرفتہ زیر بغل
تاچہ خواہی خریدن اے مغرور
روزِ درماندگی بہ سیم دغل

شہنامہ اسلام حصہ اول اور نغمۂ زار کے مطالعہ سے بالبداہت معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں نظمیں گلزار اردو کے حق میں خزاں کا حکم رکھتی ہیں۔ راہروانِ منزلِ اردو کے پاؤں کو نوکِ خار بنکر زخمی کرتی ہیں۔ زبان کے آبِ زلال میں زہر کی آمیزش ہیں دامنِ سخن پر بدنما داغ نظر آتی ہیں۔ جبینِ کلام پر کلنک کا ٹیکا ہیں اور بلبلانِ بوستانِ ادب کی دلفریب نغمہ سرائی میں بوم کی دلخراش آواز ہیں۔

ارباب نظر پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کہ میر تقی مرحوم کے پاک ہاتھوں نے گلشنِ ادب میں نہالِ سخن کا بیج بویا۔ جس نے اس کی زندگی ہی میں پودے کی صورت اختیار کی سودا مرحوم کی حسن خدمات اور مساعی جمیلہ سے یہ پودا سرسبز اور شاداب ہوا۔ پھر اساتذہ متقدمین ومتاخرین کی آبیاری اور

پاسبانی سے بار ور ہُوا۔ مگر اب یہ دیکھکر دل کو صدمہ ہوتا ہے۔
کہ ایسے پھلدار درخت کو حفیظ غلط نگاری کے کلہاڑے سے بیخ و
بن سے اکھاڑ رہا ہے۔

میں حفیظ کا دشمن نہیں ہوں۔ مخالف نہیں ہوں۔ حاسد
نہیں ہوں۔ البتہ میں نہیں چاہتا۔ کہ مرغِ ادب کو غلط اردو۔ غلط
محاوروں غلط قواعد اور غلط جدتوں کی چھری سے ذبح کیا جائے۔ میں
نہیں چاہتا۔ کہ بینا ہو کر اندھے کو کنویں میں گرنے سے نہ بچایا جائے۔ اور
میں نہیں چاہتا۔ کہ بجا اعتراض اور واجب نقطہ چینی کو جو خصوصیت
اسلام کا نمایاں جوہر ہے۔ خوشامد اور بزدلی کی نذر کر دیا جائے۔

ہر ایک شاعر کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنا کلام اُس وقت تک پبلک
کے سامنے مطبوع صورت میں پیش نہ کرے جب تک اس کو بار بار
پڑھکر خامیوں سے پاک اور صاف نہ کر لے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا۔
اور کوتہ اندیشی اور عجلت کا ثبوت دیتا ہے۔ تو معترض کو حق حاصل
ہے۔ کہ وہ ننگ و ناموسِ زبان کی خاطر اسکی تصنیف کے ضرر کا
ازالہ کرے۔

اگر حفیظ کی خامیوں کی نوعیت ایسی خامیوں تک محدود ہوتی
جو بعض شعرا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ تو مضائقہ نہ تھا۔ میں تنقید
کی سردردی کا بار گراں اپنے دماغ پر نہ ڈالتا۔ مگر شاہنامہ اسلام
حصہ اول بالخصوص اور نغمہ زار بالعموم ماشاء اللہ زبان کے
لحاظ سے ایسے لآلئے آبدار ہیں جو زمانہ بھر میں بے مثل ہیں۔ دواوینِ
عالم کو نجوم فرض کیا جائے۔ تو یہ دو نظمیں شمس و قمر نظر آتی ہیں۔

گلستانِ ادب میں سرو و شمشاد کی طرح سربلند ہیں۔ سخن کی برات میں دولہا ہیں۔ مرغانِ نواریز میں ہزار داستان ہیں۔ دیارِ فصاحت و بلاغت میں شہریار ہیں۔ حکومتِ تخیل کا رکنِ رکین ہیں محاورات میں عدیم النظیر ہیں۔ سلاست و روانی میں چشمۂ رواں ہیں۔ الفاظ کی نشست مصرعوں کی برجستگی۔ اشعار کی بندش۔ نکتہ آفرینی اور معنی خیزی میں یکتا ہیں۔

مثال کے طور پر شاہنامہ اسلام حصّہ اول اور نغمۂ زار میں سے تین تین اشعار ترتیب وار ذیل میں لکھتا ہوں۔ جن سے ناظرین اندازہ لگا لینگے کہ حفیظ کی شاعری اردو کے حق میں کہاں تک مفید ہو سکتی ہے۔

تمہارے بھائی بیٹے سب کے سب پکے مسلماں ہیں
اگر اُن سے لڑوگے خود تمہارے ہی یہ نقصاں ہیں

مصرعہ دوئم میں نُقصاں کس خوبی سے استعمال کیا گیا ہے۔ بلاشبہ عروسِ زبان کے رخِ زیبا پر دلفریب خال نظر آتا ہے۔

یہیں پر سب مہاجر پہلے سے موجود تھے سارے
اکٹھے ہوگئے اِس چاند کے چوگرد سب تارے

مصرعہ اول میں سُب اور سارے آسمانِ اردو پر مہر عالم افروز کا کام دے رہے ہیں۔ مصرعہ دوئم میں سُب شانِ سخن کا عدیم النظیر نمونہ ہے۔

چرائی کے لئے ہر صبح اسکی بکریاں جاتیں
خدا کے فضل سے سب سیر ہوکر پیٹ بھر آتیں

مصرعہ دوئم میں سیر ہو کر پیٹ بھر آتیں لکھنا حفیظ ہی کا حصّہ ہے۔ زبان کی جان اور اردو کی روح رواں ہے۔ ادب اسپر جتنا فخر کرے کم ہے۔

شعرائے حال کو چاہیئے۔ کہ حفیظ سے کلام کی اصلاح لیا کریں۔ میں اس مصرعہ کی تعریف میں اپنی طرف سے یہ مصرعہ نذرِ حفیظ کرتا ہوں۔

خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست

شاہنامہ اسلام حصہ اول کے تین اشعار بطور نمونہ درج کر چکا ہوں۔ جنکی زیارت سے آپ مشرف ہو چکے ہیں۔ اب نغمۂ زار کے تین اشعار درج کرتا ہوں۔ جن کو پڑھکر آپ یقیناً حد درجہ محظوظ ہونگے۔

ضَو فگن سینے میں ہے طورِ تجلائے سخن
آج خود محوِ تماشا ہے تماشائے سخن

تجلائے طورِ سخن کی درست ترکیب کی بجائے طور تجلائے سخن لکھنا جہالت اور بے علمی کی دلیل ہے۔ قواعد دانی کا نمانۂ حفیظ کی گدا معلوم ہوتی ہے۔

تہ آلودہ ہے چشمِ ساقیٔ مستانہ آج
ہوگیا لبریز کس کی عمر کا پیمانہ آج

چشمِ ساقیٔ مستانہ کی بجائے چشمِ مستانۂ ساقی قواعد کے قوانین کے رُو سے چاہیئے تھا۔ نشہ علم کے زور میں شاعر کا قلم بحالت بے اختیاری کچھ کا کچھ لکھ دیتا ہے۔

پھر بھی رواں ہے جانب ساحل جہازِ عمر
لنگر رہا کوئی نہ کوئی بادباں رہے!

مصرعہ دوئم میں بادباں صیغۂ جمع میں استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہاں صیغۂ واحد ہونا چاہیئے تھا۔ حرفِ تاکید کوئی جس کا موکد بادبان ہے۔ تقاضا کرتا ہے۔ کہ بادبان صیغۂ واحد میں ہو۔ مثلاً یہ کہنا کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کمرے میں کوئی لڑکے نہیں ہیں۔ یا گلی میں کوئی آدمی جا رہے ہیں۔

اب میں ناظرین کے انصاف سے سوال کرتا ہوں کہ اگر میں نے زبان کی عزت وحرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حفیظ کے کلام کی تنقید کی ہے۔ اور اس کے خطرناک نتائج کا احساس کیا ہے۔ تو اس سے حفیظ کو کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ یہ تو ادبی خدمت ہے۔ اور زبان کی حمایت ہے۔ اگر میں اس متعدی مرض کا علاج نہ کرتا تو قدرت کسی اور شخص کو اس کام پر مامور کر دیتی۔ یہ کام بہر صورت ہو کر رہنا تھا۔

ہر ایک تصنیف کی قدر و منزلت کا انحصار مصنف کی تعلیمی قابلیت پر ہوا کرتا ہے۔ اس لئے حفیظ کی نظموں کو جو کم و بیش مقبولیت پنجاب میں حاصل ہوئی ہے۔ اس کی تعلیمی استعداد سے بدرجہا زیادہ ہے۔ میرے خیال میں اسکی وجہ اس کا غنا آمیز لہجۂ نظم خوانی ہے۔ جو کسی حد تک اشعار کے نقائص اور عیوب پر پردہ ڈالے رکھتا ہے۔ سخن فہم حضرات تو بلاشک وشبہ خامیوں کو فوراً بھانپ جاتے ہونگے۔ اور دل میں کہتے ہونگے۔ کہ خدا اس شاعر کی حالت پر رحم کرے ناظرین اب وہی اشعار جنہوں نے مداحوں کے جہان میں محشر تحسین و آفرین بپا کر رکھا تھا۔ مطبوع ہو کر ہنر شناس طبقہ میں مضحکہ کا باعث ہیں۔ چہرے سے غازہ ڈھل چکا ہے۔ اور اصلی صورت نکھر آئی ہے۔ کوئی کچھ کہے یا نہ کہے۔ دیکھنے والے خود دیکھ رہے ہیں۔ کہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ اور ابھی کیا سے کیا ہونیکو ہے۔

یہ کتاب حفیظ کی خامیاں مجموعاً دو سو پنتالیس خامیوں پر مشتمل ہے۔ جن میں ایک سو پچاسی خامیاں شاہنامہ اسلام حصّہ اول سے اور ساٹھ خامیاں نغمۂ زار سے علاقہ رکھتی ہیں۔

یہ خامیاں مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ میں نے دونوں نظموں کو سرسری نظر سے دیکھا ہے۔ دقیق نگاہ ابھی اس ٹوکرے میں سے اور بہت سے ہاگلے سڑے پھل نکال سکتی ہے۔

شہنامۂ اسلام حصّہ اول کے دیباچے کے مطابق ابھی اس کے دو حصّے طبع ہونے والے ہیں۔ ایک حصّہ میں آنحضرت کے غزوات کا تذکرہ اور دوسرے حصّے میں خلفا کی فتوحات کا بیان ہوگا۔

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

سید برکت علی گوشہ نشین وزیر آباد

سنہ ۱۹۳۰ء

۴

حمد

اے ساقیٔ غم خوار۔ طلب گار ہوں تیرا
کر جام عطا مجھ کو کہ میخوار ہوں تیرا
اک بار تو چہرے سے اٹھا نور کا پردہ
اک عمر سے میں طالب دیدار ہوں تیرا
آتے ہیں عیادت کو مری اپنے پرائے
لے آئے خبر تو بھی کہ بیمار ہوں تیرا
تو گل ہے تو میں برگ ہوں گلزارِ بقا میں
تو چہرۂ زیبا ہے۔ میں رخسار ہوں تیرا
ہیں بلبل و گل دونوں چمن کے لئے زینت
تو گل ہے۔ تو میں بلبلِ سرشار ہوں تیرا
گوہر کی چمک سے ہیں سبھی تاج چمکتے
تو تاج ہی میں گوہرِ شاہوار ہوں تیرا
تو غنچۂ اسرار ہے میں بادِ صبا ہوں
تو راز سراپا ہے۔ میں اظہار ہوں تیرا
تو ساز پس پردہ ہے۔ میں تیری نوا ہوں
تو وحدتِ سربستہ۔ میں اقرار ہوں تیرا
تو رزق مجھے دیتا ہے بے منت و احساں
گن گاتا ہوں تیرے کہ نمک خوار ہوں تیرا
ہو خلد عطا مجھکو کہ اولادِ علیؑ ہوں
گو سب سے زیادہ میں گنہگار ہوں تیرا

نعت

کیا شانِ خدا۔ عشوہ جانانہ ہے اُن کا
خود خالقِ کونین بھی پروانہ ہے ان کا

ہے ساغرِ دل جنکا بئے عشق سے لبریز!
میخانہ آفاق میں افسانہ ہے اُن کا

سرگرمِ سخن جن سے رہے خالقِ اکبر
ہر ایک سخن گوہرِ یک دانہ ہے اُن کا

ہے بزمِ جہاں رشکِ قمر نور سے جنکے
خورشید صفت مرتبہ شاہانہ ہے ان کا

یکتا ہیں زمیں پر تو یگانہ ہیں فلک پر
ناکامِ ازل وہ ہے جو بیگانہ ہے اُن کا

ہے ربِّ جہاں جن کا گرفتارِ محبت
گلزارِ جناں ادنےٰ سا نذرانہ ہے اُن کا

خمخانۂ عالم کو اگر غور سے دیکھیں
مے ان کی ہے جام ان کا ہے میخانہ ہے انکا

رضواں نے جو روکا۔ تو صدا عرش سے آئی
سیتلؔ کو چلے آنے دو۔ دیوانہ ہے اُن کا۔

حفیظ کی خامیاں

نمبر ۱

(۱) صـ۳۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

وہی خالق ہے دل کا اور دل کے نیک ارادوں کا
وہی مالک ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا

مصرعہ اول میں ارادوں کا الف دب کر پڑھا جاتا ہے۔ گو اسے غلطی نہ بھی کہہ سکیں۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اجتناب بہتر ہے۔ یہی سقم صفحہ ۹۷ اور ۲۵۰ پر کے دو اشعار میں موجود ہے۔ جو ذیل میں لکھتا ہوں۔ مصرعہ اول میں اُچھالا کا الف اور مصرعہ سوئم میں اُٹھالی کا الف دبتا ہے۔ نیز سوگند اٹھانا بھی غلط ہے۔ سوگند کھانا ہونا چاہیئے۔

کوئی کہتا ہے۔ ہم نے رہزنی میں نام اچھالا ہے
کوئی کہتا ہے۔ ہم نے عشق کو سانچے میں ڈھالا ہے
وگرنہ یاد رکھو ہم نے بھی سوگند اٹھالی ہے
قسم اپنے ہبل کی لات کی عزّے کی کھالی ہے

(۲) صـ۳۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

غریبوں کو شہنشاہی کے قابل کر دیا جس نے
غرورِ نسل کا افسون باطل کر دیا جس نے

عام طور پر امیر و غریب۔ شاہ و گدا۔ اعلےٰ و ادنیٰ وغیرہ کی ترکیب موزوں خیال کی جاتی ہے۔ امیر و گدا۔ غریب و شاہ وغیرہ ناگوار سے معلوم ہوتے ہیں اساتذہ نے جو شاہراہِ سخن مقرر کی ہے۔ بلاوجہ اس کو چھوڑ کر دوسرے ناہموار مسلک پر بے سیر ہونا نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلئے مصرعۂ اول میں غریبوں کی بجائے گداؤں موزوں تھا۔ نیز دوسرے مصرعہ میں افسوں کے نون کا اعلان خلاف فصاحت ہے۔ ان جملہ اسقام کو یوں رفع کیا جا سکتا تھا۔

گداؤں کو شہنشاہی کے قابل کر دیا جس نے۔
غرورِ نسل کے افسوں کو باطل کر دیا جس نے

(۳) صـ۲۷ـ۔ بذیل کا شعر مرقوم ہے۔

وہ جس نے تخت اوندھے کر دیئے شاہانِ جابر کے
بڑھائے مرتبے دنیا میں ہر انسانِ صابر کے

حفیظ کو اس حقیقت سے آشنا ہونا چاہیئے۔ کہ حشو و زوائد عروسِ سخن کے چہرہ کو بگاڑنے والی چیزیں ہیں۔ شہنامہ اسلام پر شروع سے آخر تک ایک نظر ڈالنے سے ہر شخص میری طرح اس نتیجہ پر پہنچیگا۔ کہ یہ کتاب حشو و زوائد کا گنجینہ بے پایاں ہے۔ نمبر ۱۳ میں ان بے معنی اور لغو الفاظ کی مکمل فہرست درج ہے۔ بعض جگہ یہ الفاظ کچھ زیادہ ناموزوں معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن اکثر مقامات میں انکا استعمال ایسے طریق پر ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاعر کو فنِ شعر کے مبادیات سے بھی واقفیت نہیں۔ اور وہ محض

تگ سے تک ملانے اور شعر کا وزن پورا کرنے کیلئے جو لفظ چاہتا ہے ٹھونس دیتا ہے۔ مصرعۂ دویم کا ہر بھی انہی لغویات وحشویات کے قبیل سے ہے۔ اس خرافات نگاری پر خدائے سخن فردوسی کے مقابلہ کا اِدّعا۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔ اگر اس مصرعہ کو بصورتِ ذیل ہی لکھ دیا جاتا۔ تو کچھ نہ کچھ بات بن جاتی۔

وہ جس نے تخت اوندھے کر دیئے شاہانِ جابر کے
بڑھائے مرتبے آفاق میں انسانِ صابر کے

(۴) صث ۳۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

وہ نورِ لم یزل جو باعثِ تخلیقِ آدم ہے۔
خدا کے بعد جس کا اسم اعظم اسم اعظم ہے

یہ درست ہے۔ کہ آنحضرت کا نور لم یزل حضرت آدم کی تخلیق کا باعث ہے۔ انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ نور پاک آدم کی تخلیق کا باعث ہی نہ تھا۔ بلکہ تمام موجوداتِ ارضی و سماوی کی آفرینش کا موجب تھا۔ شاعر نے کوتاہ بینی سے کام لیا ہے۔ اگر اسکی نظر میں وسعت ہوتی تو یوں لکھتا۔

وہ نورِ لم یزل جو باعثِ تخلیقِ عالم ہے
خدا کے بعد جس کا اسم اعظم اسم اعظم ہے۔

(۵) صث ۳۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مسلمانوں پہ ہے مردہ دلی چھائی ہوئی ہر سو
سکوتِ مرگ نے چادر ہے پھیلائی ہوئی ہر سو

شاعر چادر کا بہت دلدادہ اور متوالا معلوم ہوتا ہے۔ وہ کوشش

کرنا ہے۔ کہ چادر کا لفظ ضرور استعمال کرے۔ خواہ محلِ استعمال غلط ہی ہو۔ شعر مندرجہ بالا میں چادر کا استعمال صریحًا لغو اور بے معنی ہے۔ اسی طرح شاعر نے اس لفظ کا استعمال صفحہ ۵۳ پر ذیل کے شعر میں کیا ہے۔ طریقہ استعمال بتا رہا ہے۔ کہ شاعر کو محاورہ اور زبان سے کس قدر فاصلہ اور بُعد ہے۔ اسکی اصلاح اسکے اپنے مقام پر کی جائیگی۔

اسی سے دشمنی رکھنے کی کھائی ہے قسم اُس نے
عبودیت کی چادر سے نکالا ہے قدم اُس نے

سکوتِ مرگ کی چادر بھونڈی ترکیب ہے۔ نہ دل کو بھلی لگتی ہے اور نہ کانوں کو خوشگوار۔ فصاحت سے دور اور قباحت کے نزدیک ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مسلمانوں پہ ہے مردہ دلی چھائی ہوئی ہر سُو
قیامت ہے سکوتِ مرگ نے ڈھائی ہوئی ہر سُو

(۱۸) صفحہ ۳۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کیا فردوسیؔ مرحوم نے ایران کو زندہ
خدا توفیق دے تو میں کروں ایمان کو زندہ

فردوسی نے ایران کو زندہ کیا ہے۔ مگر حفیظ ایمان کو زندہ کرتا ہے ماروں آنکھ اور پھوٹے پتھر۔ شاعر ہندوستان کو زندہ کرتا تو محلِ اعتراض نہ تھا۔ ایمان کو زندہ کرنا اس جگہ کچھ زیب نہیں دیتا۔ ایران کا قافیہ موزون نہ ملسکا تو ایمان لکھ دیا۔ مناسب ہو یا نامناسب۔ چسپاں ہو یا نہ ہو شاعر کی بلا سے۔ اب تو

صرف اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ اس دورِ تفریح میں جب ایمان وایقان بادہ پرستوں کے نرغہ میں ہے۔ لوگ اس کتاب کو احیائے اسلام وایمان کا نسخہ سمجھکر خرید لیں۔

(۷) صـ۳۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مگر سینے میں دل رکھتا ہوں جس میں جوشِ غیرت ہے
سراسر راکھ ہے لیکن ابھی تک پُر حرارت ہے

جب کوئی چیز سراسر راکھ ہو گئی ہو یعنی سر سے پاؤں تک راکھ میں متبدل ہو چکی ہو تو پُر حرارت نہیں ہوسکتی۔ حرارت کا کچھ حصہ باقی رہ سکتا ہے۔ اور وہ بھی برائے نام۔ جلتا ہوا کوئلہ بتدریج راکھ میں تبدیل ہوتا ہے۔ جب تک کوئلے کی آگ قائم ہوگی خواہ کتنی ہی کم مقدار میں ہو۔ راکھ میں حرارت ہوگی۔ لیکن جب کوئلہ مکمل طور پر نابود ہوجائیگا۔ اسوقت راکھ بھی سرد ہوجائیگی۔ یا برائے نام حرارت محسوس ہوگی۔ حرارت سے پُر ہونا محال ہے۔ شاعر کا فرض ہے کہ خیالات کو محالات کا لباس نہ پہنائے۔ ورنہ مضحکہ کا باعث ہوگا۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

مگر سینے میں دل رکھتا ہوں جس میں جوشِ غیرت ہے
سراسر راکھ ہے لیکن ابھی اس میں حرارت ہے

(۸) صـ۳۹ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

رہا سینے میں چھپ کر فرض کا احساس برسوں تک
رہی اس راستے میں سنگ بن کر یاس برسوں تک

وسائل ڈھونڈتا پھرتا رہا ہوں کام کرنے کو۔
کشائش کو حریفِ گردشِ ایام کرنے کو۔

پہلے مصرعہ میں رہا اور دوسرے میں رہی کا استعمال درست اور بامعنی ہے۔ تیسرے مصرعہ میں رہا ہوں غلط ہے۔ محض رہا چاہئے تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

وسائل ڈھونڈتا پھرتا رہا میں کام کرنے کو
کشائش کو حریفِ گردشِ ایام کرنے کو،

(۹) صفحہ ۱۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

نجس ناپاک کوچہ۔ جس میں کوئی بھی نہیں جاتا
وہاں سویا ہوا ہے مسندِ دہلی کا لکھ داتا،

شاعر کہتا ہے کہ وہاں کوئی بھی نہیں جاتا۔ کوئی بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہاں انسان کا ہرگز گزر نہیں۔ لیکن صفحہ ۱۳ پر شاعر خود رقمطراز ہے

انہی افکار میں بیٹھا تھا میں اک دن جھکائے سر
درِ آرامگاہِ شاہ قطب الدین ایبک پر،

شاعر کی قوتِ حافظہ قابلِ تحسین و آفرین ہے اپنے کلام کی خود ہی اور اتنی جلدی تکذیب کر دینا آپ ہی کا حصہ ہے۔ اگر مصرعہ اول کو اس طرح لکھ دیتا۔ تو اعتراض نہ رہتا۔

نجس ناپاک کوچہ۔ شاذ ہے کوئی جہاں جاتا
وہاں سویا ہوا ہے مسندِ دہلی کا لکھ داتا

(۱۰) صفحہ ۱۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ تربت ماتمی ہے ان حجازی شہ سواروں کی
مسلمانوں نے مٹی بیچ لی جن کے مزاروں کی

یہ دونوں جملے درست ہیں۔ زید نے اپنی تمام جائداد بیچ دی یا بیچ ڈالی بکر نے زمین کا کچھ حصہ بیچ دیا یا بیچ ڈالا۔ البتہ خریدار ہونے کی حیثیت میں یوں لکھا جائے گا۔ زید نے بکر کی جائداد خریدی یا خرید کی یا خرید لی۔ بہ الفاظِ دیگر بیچ دی اور خرید لی۔ دونوں صورتیں درست ہیں۔ مگر بیچ لی غلط ہے۔ ہاں اگر شاعر اپنے آپ کو اشعار کی ضروری قیود سے بالاتر خیال کرتا ہو۔ تو اور بات ہے۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ تربت ماتمی ہے ان حجازی شہ سواروں کی
مسلمانوں نے مٹی بیچ دی جن کے مزاروں کی

(۲) نمبر

(۱) ص ۱۴۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

شعاعوں سے یہاں خورشید دامن بھر نہیں سکتا
فلک اس پر ستاروں کو نچھاور کر نہیں سکتا

مصرعہ اولیٰ مہمل اور بے معنی ہے۔ صاف پتہ نہیں چلتا کہ آیا خورشید نے مزار کی شعاعوں سے اپنا دامن بھرنا ہے یا مزار نے خورشید کی شعاعوں سے اپنا دامن بھرنا ہے۔ ایسا طرزِ کلام جو مافی الضمیر کی صراحت اور وضاحت کرنے سے قاصر ہو۔ محلِ اعتراض ہوا کرتا ہے اور شاعر کی عدم اہلیت کی دلالت کرتا ہے۔ کلام میں اہمال ہونا

شاعر کو مسندِ شاعری سے گرا کر تُک بندوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے اور نقادانِ سخن تو ایک طرف تمام لوگ بھی ایسے شعر کو بصورتِ شعر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ جس کا مفہوم واضح اور صریح نہ ہو۔ شعر کو چیستان بنا دینا۔ یا مہمل چھوڑ دینا خام مشقی کا ثبوت ہے۔ شعر کی تعریف میں اکثر فضلا نے طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن اس کی جامع و مانع تعریف کرنا دشوار ہے۔ البتہ مندرجہ ذیل تعریف مفید مطلب ہو سکتی ہے۔

شعر وہ ہے جسکو سنکر انسان بھڑک اُٹھے۔ اور خواہش کرے کہ میں بھی ایسا شعر نظم کروں لیکن جب کرنا چاہے۔ تو نہ کر سکے۔

(مقدمہ شعر و شاعری از مولانا حالی)

مندرجہ بالا تعریف سے ثابت ہوا۔ کہ شعر کا مفہوم واضح ہونا چاہیئے جسے پڑھکر سننے والا لطف اندوز ہو۔

مصرعۂ اول کی اصلاح ملاحظہ ہو۔

ضیا سے مہر انور اس کا دامن بھر نہیں سکتا
فلک اس پر ستاروں کو نچھاور کر نہیں سکتا

(۱۲) صلا پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

نہ پڑھتا ہے یہاں پر فاتحہ کوئی۔ نہ روتا ہے
کسے معلوم ہے اس چھت کے نیچے کون سوتا ہے

مصرعۂ اول میں "پر" لغو اور فضول ہے۔ محض شعر کا وزن پورا کرنے کیلئے۔ ٹھونس دیا گیا ہے۔ شاعر نے اس کتاب میں یہاں پر اور یہیں پر چند بار استعمال کیا ہے۔ حالانکہ صرف یہاں اور یہیں لکھ دینا کافی تھا

اگر یہاں پر اور یہیں پر کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو وہاں پر اور وہیں پر بھی فصاحت میں شمار ہونگے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

کوئی پڑھتا نہیں ہے۔ فاتحہ اس پر۔ نہ روتا ہے
کسے معلوم ہے اس چھت کے نیچے کون سوتا ہے۔

(۱۳) ص ۴۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

نہیں ہے چار گز ٹکڑا زمیں کا جسکی قسمت میں
یہ تربت آسماں رفعت ہی میری چشم عبرت میں

آپ جس کے انتظار میں تھے۔ وہ آگیا ہے۔ جسکی قسمت میں زمین کا چار گز ٹکڑا نہیں۔ وہ تربت میری چشم عبرت میں آسمان رفعت ہے۔

مندرجہ بالا دونوں صورتیں درست اور صحیح ہیں۔ اعتراض سے مبرا ہیں۔ آپ جسکی انتظار میں تھے۔ یہ آگیا ہے، جس کی قسمت میں زمین کا چار گز ٹکڑا نہیں۔ یہ تربت میری چشم عبرت میں آسمان رفعت ہے۔

یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔ اس شعر کی دو طرح سے اصلاح ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ 'یہ تربت' کی بجائے 'وہ تربت' لکھا جائے۔ دوئم یہ کہ 'جسکی قسمت میں' کی بجائے اسکی قسمت میں لکھا جائے۔

اصلاحیں ملاحظہ ہوں۔

نہیں ہے چار گز ٹکڑا زمیں کا جسکی قسمت میں
وہ تربت آسماں رفعت ہے میری چشم عبرت میں

نہیں گو چار گز ٹکڑا زمیں کا اسکی قسمت میں
یہ تربت آسماں رفعت ہے میری چشم عبرت میں

(۱۴) ص ۴۲ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

یہاں میں حال کو ماضی کے دریا میں ڈبوتا ہوں
تصور کے طفیل اک اور ہی دنیا میں ہوتا ہوں
تخیّل مجھکو لے جاتا ہے اک پُرہول میداں میں
جہاں باہم بپا ہوتی ہے جنگ انبوہِ انساں میں

ناظرین ملاحظہ کریں کہ شاعر نے دو متواتر اشعار میں 'اک' کو دو دفعہ استعمال کیا ہے۔ یہی لفظ اس کتاب میں کہیں درست اور کہیں نادرست کئی دفعہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ بھی شاعر کے خاص گنجِ زوائد کا ایک دُرِ شاہوار ہے۔ جسکی کیفیت تفصیل وار نمبر۱۲ میں ملیگی مصرعۂ دوئم میں سے یہ قباحت اس طرح بہ آسانی دور ہوسکتی تھی۔

یہاں میں حال کو ماضی کے دریا میں ڈبوتا ہوں
تصور کی بدولت اور ہی دنیا میں ہوتا ہوں

(۱۵) صـ۴۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

عَلَم کے سائے میں سلطانِ غازی کا بڑھے جانا
سرِ دشمن پہ افواجِ حجازی کا چڑھے جانا

گو ہر ایک مسلمان کو مذہبی نکتۂ خیال سے حجاز سے گہرا تعلق ہے جو منقطع نہیں ہوسکتا۔ لیکن شاہانِ عجم اپنی افواج کو افواجِ حجازی نہیں کہہ سکتے۔ سلطان محمود غزنوی۔ نادرشاہ ایرانی اہلِ ہند سے برد آزما ہوئے۔ ان کی افواج کو افواجِ غزنی اور افواجِ ایرانی لکھا گیا ہے۔ کسی مورخ نے انہیں افواجِ حجازی نہیں لکھا۔ اور اگر افواج کو بادشاہ کے نام سے منسوب کریں۔ تو یوں لکھیں گے۔ اکبری افواج۔ بابری افواج۔ ہندوستان کی مسلمان افواج کو افواجِ حجازی کہنا۔

بہر صورت غلط ہے۔ پڑھنے والے کو شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ افواج حجاز سے بطور کمک طلب کی گئی ہیں۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ پس حجازی افواج صرف اہل حجاز کی ہوسکتی ہیں۔ اصلاح ملاحظہ ہو:۔

علم کے سائے میں سلطانِ غازی کا بڑھے جانا
سرِ دشمن پہ افواجِ مظفر کا چڑھے جانا

(۱۶) صـ۴۳ـہ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

شہادت کے رجز پڑھتا ہوں میدانِ شہادت میں
رجز پڑھتا ہوا اڑھتا ہوں ارمانِ شہادت میں

شاعر نے اپنے گمان میں شہادت کے لفظ کو تین دفعہ استعمال کرکے کمالِ فنِ سخنوری دکھایا ہے۔ اہل علم کی نگاہ میں یہ شعر بے معنی اور لغو ہے۔ مصرعہ اوّل کا ابتدائی لفظ شہادت لایعنی ہے۔ اگر اس کے معنے کلمہ شہادت لیئے جائیں تو یہ بطور رجز استعمال نہیں ہوسکتا۔ عرب کے عام قاعدے کے مطابق بہادر سپاہی رجز میں اپنے کارہائے نمایاں کو ظاہر کیا کرتے تھے۔ کلمۂ شہادت میں شاعر کا کونسا جوہر مردانگی موجود ہے۔ حفیظ کا مداح اس لفظ کی حمایت میں ہزار تاویلیں کرے مگر اہل علم کی نظروں میں اس کی کوئی تاویل بھی نہ جچیگی۔ خوش اعتقادی اور چیز ہے۔ اور معقولیت اور۔ اگر اس لفظ کے معنی محض شہادت یعنی قتل لیئے جائیں۔ تو اس کی لغویت ظاہر وباہر ہے۔ غرض اس لفظ کو جس پہلو سے دیکھیں شاعر کی ناپختہ کاری کا نمونہ ہے اگر شہادت کی بجائے شجاعت لکھ دیتا۔ تو بہتر ہوتا۔

(۱۷) صـ۴۴ـہ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ تیرا فضل ہے بیشک کہ ابتک زندہ ہوں یارب
گذشتہ زندگانی پر بہت شرمندہ ہوں یارب

پہلے مصرعہ میں "بیشک" لایعنی اور فضول ہے۔ دوسرے مصرعہ میں زندگانی کی بجائے زندگی ہوتا۔ تو بہتر تھا۔ شاہنامۂ اسلام کے مطالعہ سے جہاں اسمیں شاعری کے صدہا نقائص ملتے ہیں، وہاں اُردو زباندانی کی لغزشیں بھی قدم قدم پر پائی جاتی ہیں۔ الفاظ کی موزونیت اور مناسبت کا تو بہت کم خیال رکھا گیا ہے۔ بےمعنی اور بیہودہ الفاظ کی اتنی بھرمار ہے۔ کہ دیکھ کر عقل بھنّا جاتی ہے اگرچہ نغمۂ زار کو شہنامہ اسلام پر معنوی خوبیوں کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے تاہم وہ بھی عیوب و نقائص سے خالی نہیں اسکی خامیوں کی ابتدا نمبر ۲ سے ہوتی ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ تیرا لطف و احساں ہے کہ ابتک زندہ ہوں یارب
گذشتہ زندگی پر نادم و شرمندہ ہوں یارب

(۱۹) صفحہ ۴۸ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

تیرے لطف و کرم نے آج میری رہنمائی کی
مری پستی نے اٹھ کر بامِ ہستی تک رسائی کی
کہاں ہے قسمتِ خوابیدہ میں یہ کیفِ بیداری
ہے سرچشمہ نشاطِ زندگی کا شعلہ رفتاری
پہاڑوں میں جہاں بہتی ہے آبِ تند کی دھارا
میری آنکھوں نے دیکھا آج وہ پُرجوش نظارا

مندرجہ بالا تین اشعار اس صفحہ میں پے درپے مرقوم ہیں۔ "آج" کا

لفظ دو دفعہ استعمال کیا گیا ہے۔ ایک آج بہر حال زاید از ضرورت ہے۔ پہلے شعر کی اصلاح ملاحظہ ہو۔

تیرے احسانِ بے پایاں نے میری رہنمائی کی
مری پستی نے اٹھ کر بامِ ہستی تک رسائی کی

(۱۹) صؔ۵۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہی مخلوق تھی فردوس سے جس کو نکالا تھا
اسی نے دانۂ گندم پہ سب کچھ بیچ ڈالا تھا

حضرت آدم کے قصے کی طرف اِشارہ ہے شاعر کہتا ہے۔ کہ آدم نے دانۂ گندم پر سب کچھ بیچ ڈالا۔ اہل علم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ سب کچھ کس قدر وسیع لفظ ہے۔ سب کچھ میں دین و ایمان۔ امانت و دیانت۔ زہد و تقویٰ تمام چیزیں داخل ہیں۔ شاعر کو کیا مجبوری تھی۔ کہ ایسا لغو اور گستاخانہ لفظ استعمال کرتا۔ اسکی صلاحیں ملاحظہ ہوں۔

یہی مخلوق تھی فردوس سے جسکو نکالا تھا
اسی نے دانۂ گندم پہ اسکو بیچ ڈالا تھا

یہی مخلوق تھی فردوس سے جسکو نکالا تھا
اسی نے خلد گندم کے عوض میں بیچ ڈالا تھا

(۲۰) صؔ۵۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

دلِ مخلوق میں یوں راہ اندیشے نے جب پائی
تسلّی کیلئے فوراً ندا جبریل کی آئی

فوراً۔ فی الفور۔ معاً۔ یہ تین الفاظ بھی شاعر نے بہت دفعہ استعمال

گئے ہیں۔ فوراً کی تنوین چار دفعہ مٹی پلید کی گئی ہے۔ مگر فوراً اور فی الفور کو بار بار لتاڑا گیا ہے۔ ناظرین کی حیرت کی انتہا نہ رہیگی جب دیکھینگے کہ شہنامۂ اسلام میں فضول الفاظ کیا کیا اور کتنی بار استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً ہر سُو۔ آخرکار۔ غرض۔ بس۔ گویا۔ ہی۔ اک۔ یہ۔ بھی۔ اب۔ اپنا۔ آج۔ پھر۔ یعنی وغیرہ جابجا استعمال کئے گئے ہیں۔ استعمال کی موزونیت شاذ کا حکم رکھتی ہے۔ مندرجہ بالا شعر میں فوراً بلا شک وشبہ لغو اور بے معنی ہے۔ فوراً کی بجائے اسدم لکھتا تو مطلب حاصل ہوجانیکے علاوہ موردِ اعتراض نہ ہوتا۔ اُسدم کا لفظ اکثر اساتذہ نے استعمال کیا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

دلِ مخلوق میں یوں راہ اندیشے نے جب پائی
تسلّی کے لئے اُسدم ندا جبریل کی آئی

نمبر (۳)

(۱۷) صـ ۵۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

اسی سے دشمنی رکھنے کی کھائی ہے قسم اُس نے
عبودیت کی چادر سے نکالا ہے قدم اُس نے

شاعر کہتا ہے۔ کہ شیطان نے حضرت آدم اور بنی آدم سے دشمنی رکھنے کی قسم کھائی ہے۔ اور عبودیت کو ترک کردیا ہے۔ عبودیت کی چادر۔ نرالی ترکیب ہے۔ اہل زبان عش عش نہ کہہ اٹھیں۔ تو ہمارا ذمہ۔ شاعر کو چادر سے خاص دلدادگی ہے۔ پیشتر ازیں بھی ایک شعر میں چادر استعمال کرچکا ہے جسکی اصلاح ہوچکی ہے

غالباً اس شعر کو گھڑتے وقت یہ مقولہ پیشِ نظر ہوگا۔ جتنی چادر لمبی ہو اتنے ہی پاؤں پھیلاؤ۔ اس حقیقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا اور جملہ امور دنیا ایک جال ہیں جس میں مخلوق گرفتار ہے۔ پس اصلاح ملاحظہ ہو۔

اسی سے دشمنی رکھنے کی کھائی ہے قسم اس نے
عبودیت کے حلقے سے نکالا ہے قدم اس نے

(۲۲) صـــ۵۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مشیّت ہے کہ اب طاقت کا وہ بھی امتحان کر لے
ملی ہے جتنی قدرت خبثِ باطن کو عیاں کر لے

جب شیطانِ ملعون نے درگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ مجھے ہمیشہ کیلئے زندگی عطا کی جائے۔ تو ارشاد ہوا۔ کہ تجھے وقت معلوم تک زندگی دی جاتی ہے۔ یہ سنکر شیطان نے کہا۔ اب میں تیرے بندوں کو گمراہ کرونگا۔ مصرعہ دوئم میں "قدرت" کا لفظ بے معنی نہ سہی بے محل ضرور ہے قدرت کو خدا سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں ۔۔ ۔۔۔ اسکا استعمال کسی رنگ میں بھی جائز نہیں۔ اس کی جگہ مہلت ہوتا تو محلِ نظر نہ تھا اور مطابقِ واقعہ بھی ہو جاتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مشیت ہے کہ اب طاقت کا وہ بھی امتحان کر لے
ملی ہے جتنی مہلت خبثِ باطن کو عیاں کر لے

(۲۳) صـــ۵۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

وہ دن آتا ہے ان کا آخری جب سامنا ہوگا
حق و باطل میں گویا فیصلہ کن معرکہ ہوگا

شاعر کہتا ہے۔ کہ جب آنحضرت دنیا میں مجازی صورت میں تشریف لائینگے اس وقت شیطان کو شکست فاش ہوگی۔ اعتراض یہ ہے۔ کہ مصرعۂ دوئم میں گویا کس مرض کی دوا ہے۔ محض بھرتی کا لفظ ہے۔ گویا بھی شاعر کے خزینۂ فضولیات کا ایک دُرِ مکنون ہے۔ جب شعر کے وزن میں ایک لفظ کی کمی رہ گئی۔ لغویات کی تھیلی کا منہ کھولا اور کوئی ایک ملتا جلتا لفظ جڑ دیا۔ قیاس کہتا ہے۔ کہ شاعر کے کان حشو و زوائد کے نام سے آشنا نہیں ہیں۔ ورنہ مرغِ سخن کو حشو و زوائد کی کُند چھری سے بیدریغ ذبح نہ کرتا زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جب۔ ان بیہودہ الفاظ کے بغیر ہی کام نکل سکتا تھا۔ تو انہیں بلاوجہ شعر کیوں لکھ دیا گیا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

وہ دن آتا ہے انکا آخری جب سامنا ہو گا
میانِ حق و باطل فیصلہ کن معرکہ ہو گا

(۴۳) صـ ۵۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مشیت ہے کہ آدم ہی کریگا اُسکو پست آخر
یہی اقبالِ پیشانی اسے دیگا شکست آخر

ایک ہی شعر میں اُسکو اور اُسے استعمال کرنا کونسی فصاحت و بلاغت ہے۔ ایسے قبیح تکرار سے تو نام نہاد شاعر بھی پرہیز کرتے ہیں۔ شہنامۂ اسلام میں بہت کم اشعار پائے جاتے ہیں۔ جن میں حفیظ نے کاوش اور کاہش سے کام لیا ہو۔ جو مضمون دماغ میں آیا اور قلم نے لکھ دیا۔ جوں کا توں رہنے دیا۔ ذرا کوشش نہ کی کہ شعر کو شعر بنا کر پڑھنے والوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

ترمیم و تنسیخ کو شایانِ شان نہ سمجھا۔ قطع و برید کو کسرِ شان خیال کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ناظرین کی تفریح طبع کا سامان موجود ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مشیّت ہے کہ آدم ہی کریگا اسکو پست آخر
اسی اقبالِ پیشانی سے کھائیگا شکست آخر

(۲۵) صـ۵۳ـ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ جلوہ پے بہ پے دنیا کو راہِ حق دکھائیگا
یہی رہبر ہر اک گمراہ کو منزل پہ لائیگا

مصرعۂ دوئم میں ہر اک بلا ضرورت اور لغو ہے۔ شاعر اس کے استعمال پر مجبور بھی نہیں ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ جلوہ پے بہ پے دنیا کو راہ حق دکھائیگا
بشکلِ راہبر گمراہ کو منزل پہ لائیگا۔

(۲۶) صـ۵۵ـ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ نقشہ دیکھکر ابلیس اپنے دل میں شرمایا
حسد بنکر دلِ فرزندِ آدم میں اتر آیا

اگرچہ مصرعۂ اول میں اُپنے درست ہے۔ تاہم اس کا ترک بہتر ہوتا۔ اُپنا۔ اپنے۔ اپنی۔ یہ تین الفاظ بھی شاعر کی معدنِ ہزلیات کے جواہر رخشاں ہیں۔ ان اشخاص کی طبیعت پر جو بے عیب اشعار پڑھنے کے عادی ہیں۔ حفیظ کے بے معنی اور لغو الفاظ ناگوار گزرینگے۔ اصلاحیں ملاحظہ ہوں۔

یہ نقشہ دیکھ کر ابلیس دل ہی دل میں شرمایا
حسد بن کر دلِ فرزندِ آدم میں اتر آیا
یہ نقشہ دیکھکر آنکھوں سے شیطاں دل میں شرمایا
حسد بنکر دلِ فرزندِ آدم میں اتر آیا

(۲۷) صف۵۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہوا شیطاں کا تابع اول اول نفس امارا
کہ عورت کیلئے قابیل نے ہابیل کو مارا

قابیل کے ہابیل کو قتل کر دینے کا قصہ بہت مشہور ہے۔ ہابیل اور قابیل کو قربانی دینے کا حکم ہوا۔ ہابیل نے سب سے خوبصورت اور سب سے فربہ گوسفند کو بطور نذر پیش کیا۔ قابیل نے چند ناکارہ اشیا بطور نذر پیش کیں۔ ہابیل کی قربانی منظور اور قابیل کی نامنظور ہوئی۔ قابیل کے دل میں حسد کا دریا امڈ آیا جو ہابیل کے قتل کا موجب ہوا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہوا شیطاں کا تابع اول اول نفس امارہ
حسد کے جوش میں قابیل نے ہابیل کو مارا

(۲۸) صف۵۵ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

بدی نے چار سو کچھ اسطرح پھیلائی گمراہی
کہ آئی قبضۂ ابلیس میں انساں کی شاہی
وبائے شرک پھیلی چار سو دنیائے انساں میں
نہ کوئی فرق رکھا اہرمن میں اور یزداں میں

مندرجہ بالا دونوں شعر پے در پے اس صفحہ پر مرقوم ہیں۔ دونوں اشعار

ہیں چار سو شاعر کی خداداد ذہنیت کا بین ثبوت ہے۔ کیا کرے، وزن پورا کرنا مطلوب ہے۔ فردوسیٔ ایران کے متعلق تو اہل علم کی رائے ہے کہ اس کے اشعار ایک مصفا اور شیریں چشمہ کیطرح ہیں۔ جس کی دلکش روانی اور روح افزا شان پر ہزار جانیں قربان ہیں۔ اس فردوسیٔ ہند کے اشعار بلا مبالغہ اس تالاب کی طرح ہیں۔ جس کی ہئیتِ اصلی کو کائی نے مسخ کر دیا ہو۔

دوسرے شعر کی اصلاح ملاحظہ ہو۔

وبائے شرک پھیلی اس قدر دنیائے انساں میں
نہ کوئی فرق رکھا اہرمن میں اور یزداں میں

(۳۹) صـ۵۵ـ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

حسد کے لشکروں نے روند ڈالا باغِ عالم کو
بزعمِ خود مسخر کر لیا اولادِ آدم کو

باغ ایسی چیز نہیں ہے۔ جو پاؤں کے نیچے روندی جا سکے باغ اس قطعہ زمین کا نام نہیں ہے۔ جس پر محض گھاس اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اگی ہوئی ہوں یا گندم اور جو کے کھیت ہوں۔ باغ مختلف قد و قامت کے اشجار کے مجموعہ کا نام ہے۔ جن میں بعض اشجار بہت مضبوط اور سر بفلک ہوتے ہیں۔ ان کو روندنا محال ہے۔ شاعر کے خیال میں عساکرِ حسد کے سپاہیوں کا قد ایک فرضی شخص عوج بن عنق کے قد کے برابر ہوگا ورنہ بے پر کی نہ اڑاتا۔ افواج باغوں کو ویران کر سکتی ہیں۔ مگر روند نہیں سکتیں۔ البتہ کھیتوں کو روند سکتی ہیں۔ اصلاحیں ملاحظہ ہوں۔

حسد کے لشکروں نے روند ڈالا کشتِ عالم کو
بزعمِ خود مسخر کر لیا اولادِ آدم ... کو
حسد کی فوج نے ویراں کیا گلزارِ عالم کو
بزعمِ خود مسخر کر لیا اولادِ آدم کو

(۳۰) صفحہ ۵۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

زمیں کا بادشہ گویا یہی مردود بن بیٹھا
کہیں شداد بن بیٹھا کہیں نمرود بن بیٹھا

مصرعۂ اول درست ہے۔ بادی النظر میں عیب سے پاک ہے۔ شیطان کی خود مختاری بیان کرتا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ گویا اور یہی بھی حشویات میں داخل ہیں۔ ناظرین کی دلچسپی کیلئے یہاں وہ الفاظ لکھ دیتا ہوں جو فردوسیٔ اسلام نے بار بار شہنامۂ اسلام میں استعمال کئے ہیں۔ ان کی تعداد نمبر ۱۳ میں ملاحظہ ہو۔

۱ خود۔ آپ۔ اپنا۔ اپنی۔ اپنے۔
۲ غرض۔ گویا۔ الغرض۔ یعنی۔
۳ یہی۔ یہ
۴ آخر۔ آخرکار۔ بالآخر۔
۵ فوراً۔ فی الفور۔ معاً۔ دفعتہً۔
۶ ہر سو۔ ہر سمت۔ چار سو۔ بہر سو۔ ہر جانب۔ بہر جانب۔ ہر طرف۔ چاروں طرف۔
۷ بس۔ یہی۔ کبھی۔ اب۔ آج۔
۸ ہر۔ اک۔ ایک۔

نگاہِ غائر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا یہی مصرعۂ اوّل میں باعثِ زینت نہیں۔ اگر گویا کو ترک کر دیا جاتا۔ اور یہی کی بجائے یہ لکھتا تو شعر میں روانی اور فصاحت ہوتی۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

زمیں کا حاکمِ مطلق یہی مردود بن بیٹھا
کہیں شداد بن بیٹھا کہیں نمرود بن بیٹھا

نمبر (۴)

(۱۳) صہ ۵۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

نتیجہ کیا ملا دنیا کو انسانی خلافت سے
زمیں کا گوشہ گوشہ ہو گیا آلودہ ذلت سے

زبان اور روزمرہ کے لحاظ سے یہ کہا جاتا ہے۔ باغی کو بغاوت کا نتیجہ مل گیا۔ محنت کا نتیجہ ہمیشہ خوشگوار ہوتا ہے۔ مگر یہ سننے میں نہیں آیا۔ باغی کو بغاوت سے نتیجہ مل گیا۔ محنت سے نتیجہ ہمیشہ خوشگوار ہوتا ہے۔ اب شاعر کا پہلا مصرعہ ملاحظہ ہو۔ دنیا کو انسانی خلافت سے کیا نتیجہ ملا۔ یہ غلط ہے۔ یوں لکھتا تو درست ہوتا۔ کہ دنیا کو انسانی خلافت کا کیا نتیجہ ملا۔ یا یوں چاہیئے تھا۔ دنیا کو انسانی خلافت سے کیا انعام ملا۔ شاعر کا دماغ ایسی خامیوں کی پیش بندی نہیں کر سکتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ملا انعام کیا دنیا کو انسانی خلافت سے
زمین کا گوشہ گوشہ ہو گیا آلودہ ذلت سے

(۳۲) صفحہ ۵۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ستارے دم بخود تھے اسمانوں کو بھی سکتہ تھا
ترس آتا تھا لیکن کوئی بھی کچھ کہہ نہ سکتا تھا

دونوں مصرعوں میں بھی فن سخنوری کا کمال ظاہر کر رہا ہے۔ دوسرے مصرعہ کو آسمانِ زبان دانی کا مہرِ عالمتاب کہا جائے۔ تو بجا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ شاعر فردوسیٔ اسلام ہے۔ فردوسیٔ ایران کو اسکی ذات والا صفات پر فخر ہے۔ غالب مرحوم اس کے کاشانہ تخیل کا ادنیٰ گدا ہے۔ دور حاضر کی ترقی کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے تخیل اور معنی خیزی اسکی کنیز اور جدت طرازی اسکی لونڈی ہے۔ اس کا لفظ لفظ سند اور اعتبار کا تمغہ ہے۔ شعرائے ہند اسکے خرمن علم کے ریزہ چین ہیں۔ اگر اسوقت میر تقی اور سودا زندہ ہوتے تو اس مجموعہ کمالات کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کے سوا انہیں بھی چارہ نہ ہوتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ستارے دم بخود تھے گنبد گردوں کو سکتہ تھا
ترس آتا انہیں لیکن کوئی کچھ کہہ نہ سکتا تھا

(۳۳) صفحہ ۶۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

جہاں پر قبضہ پایا بادشاہوں نے خدا بن کر۔
گناہ بت پرستی چار سو پھیلا وبا بن کر۔

دوسرا مصرعہ درست ہے۔ مگر شہنامہ اسلام میں چار سو۔ وغیرہ حشویات نے محشر بپا کر رکھا ہے۔ اگر ان الفاظ کی زنجیر بنائی جائے تو اس کی درازی عزازیل علیہ ما علیہ کے رودۂ اعما

کی روایتی درازی پر خندہ زن ہوگی۔ ہر ایک چار سُو کی اصلاح کرنا تضیع اوقات ہے البتہ کہیں کہیں ناظرین کی تفریح کیلئے اصلاح کر دینا بیجا نہ ہوگا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

جہاں پر قہر ڈھایا بادشاہوں نے خدا بن کر
گناہ بت پرستی چھا گیا ابرِ وبا بن کر۔

(۳۴) ص۵۷ پر ذیل کا شعر درج ہے۔

خلیل اللہ کو اس آگ کے انبار میں پھینکا
گلِ توحید گویا تختۂ گلزار میں پھینکا

عام طور پر یہ کہنا درست ہے۔ زید نے پھول سڑک پر پھینک دیا۔ بکر نے نارنگی زمین پر پھینک دی۔ مگر یہ کہنا غلط ہے۔ زید نے پھول سڑک میں پھینک دیا۔ بکر نے نارنگی زمین میں پھینک دی۔ پھول کو باغ میں پھینک سکتے ہیں۔ صحن باغ میں پھینک سکتے ہیں لیکن تختۂ باغ میں نہیں پھینک سکتے۔ تختۂ باغ پر پھینکینگے۔ تختہ تخت۔ میز۔ چھت وغیرہ پر کوئی چیز پھینکی جا سکتی ہے۔ ان میں پھینکنا غلط ہوگا۔ دقائق زبان کو جاننے والے ایسی غلطی نہیں کھا سکتے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

خلیل اللہ کو اس آگ کے انبار میں پھینکا
گلِ خوش منظرِ توحید کو گلزار میں پھینکا

(۳۵) ص۵۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بروئے کار آیا آج بھی وہ نورِ پیشانی !!
ہوئی آگ ایک پل میں گو نزدِ تسنیم کا پانی

شاعر کہتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کی پیشانی میں نورِ مصطفےٰ جلوہ ریز تھا اسی نور نے اسکی دستگیری کی۔ اور آگ گلزار بن گئی۔ یہ صحیح واقعہ ہے۔ اور مسلمانوں کا اعتقاد بھی یہی ہے۔ مصرعۂ دوئم میں شاعر کی رفعتِ تخیل قابلِ داد ہے۔ محض آگ کی مناسبت سے پانی کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ بے معنی اور لایعنی ہونے میں بے مثال ہے۔ کلامِ پاک میں یوں وارد ہے۔

یَا نَارُ کُونِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ

یعنی اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ مگر شاعر نے آگ کو پانی میں منتقل کر دیا ہے۔ اسکے خیال میں یہ مصرعہ معجزہ سے کم نہ ہوگا۔ مگر محقق نگاہیں اس قسم کی لایعنی عبارت آرائی کو پسند نہیں کرتیں۔ چونکہ شاعر اس شعر کا مفہوم اس سے پہلے شعر میں ادا کر چکا ہے اسلئے اس شعر کا دوسرا مصرعہ تکرار کا حکم رکھتا ہے۔ اور غیر ضروری ہے پس اس مصرع کی اصلاح میں ردّ و بدل سے کام لینا ہوگا۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

بروئے کار آیا آج بھی وہ نورِ پیشانی
رہا سایہ فگن سر پر ہمائے لطفِ ربانی

(۱۴) صفحہ ۵۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہوا جب آتشیں منظر نمونہ باغِ جنت کا
ملا پیغام پیغمبر کو اب بابل سے ہجرت کا

یہ شعر حضرت ابراہیم کے متعلق ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ جب سورج نکلا تو نارنگی کافور ہو گئی۔ جب حضرت ابراہیم امتحان میں پورے اترے

تو آپ کو خلیل اللہ بنایا گیا مذکورہ دونوں صورتیں صحیح ہیں۔ اور اگر یوں کہا جائے۔ جب سورج نکلا تو اب تاریکی کافور ہو گئی۔ جب حضرت ابراہیم امتحان میں پورے اترے تو اب آپکو خلیل اللہ بنایا گیا۔ یہ دونوں صورتیں بے معنی اور لغو ہیں قواعد کے رُو سے بھی غلط ہیں۔ اب مذکورہ شعر کی نثر ملاحظہ ہو۔

جُب آتشیں منظر باغ جنت کا نمونہ ہوا۔ تو پیغمبر کو اب بابل سے ہجرت کا پیغام ملا۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ یہاں اُب کا استعمال کس قدر گھناؤنا اور بھونڈا ہے۔ یہ لفظ اُب حفیظ کے مخصوص خس و خاشاک کے ڈھیر کا ایک تنکا ہے۔ پہلے مصرعہ میں جُب حرفِ شرط ہے۔ دوسرے مصرعہ میں اُبْ حرف جزا بیان کیا گیا ہے۔ اور بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ غلطی ابتدائے آفرینش سے اس دن تک کسی شاعر نے کسی زبان میں نہ کی ہو گی۔ کیا ہی اچھا ہوتا۔ کہ اس علمی جدت کا مظاہرہ حضرت ابو الاثر انگلستان۔ امریکہ۔ یا جرمن کی کسی علمی مجلس کے سامنے کرتے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہوا جب آتشیں منظر نمونہ باغ جنت کا
ملا پیغام ابراہیم کو بابل سے ہجرت کا

(۴۷) صفحہ ۵۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مقدس قافلہ اس خطۂ باطل سے ٹل آیا
بحکم حق تعالیٰ جانب کنعاں نکل آیا

مصرعہ اول درست ہے۔ کوئی غلطی نہیں۔ مگر باطل کی مناسبت کے لحاظ سے حُق کا استعمال بہتر تھا۔ مقدس کی مناسبت ناپاک سے

ہوا کرتی ہے۔ یہی رموز و غوامض ہیں۔ جن کے جاننے کی ہر شاعر کو ضرورت ہے۔ اور جن سے حفیظ کا دماغ عاری ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو

یہ حق کا قافلہ اس خطۂ باطل سے ٹل آیا
بحکمِ حق تعالےٰ جانبِ کنعاں نکل آیا

(۳۸) صـ۵۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

زمینِ مصر پر اس عہد میں رقیون حاکم تھا
یہاں بھی ہر طرف شیطان کا افسون قائم تھا

دوسرے مصرعہ میں "ہر طرف" قابلِ غور ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

زمینِ مصر پر اس عہد میں رقیون حاکم تھا
یہاں بھی حضرتِ ابلیس کا افسون قائم تھا

(۳۹) صـ۳۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ لڑکی ہر طرح مانندِ سارہ پاک طینت تھی
یہی تھی جس کے حصے میں تقدس کی سعادت تھی

حضرت ہاجرہ کی طرف اشارا ہے۔ جو حضرت ابراہیم کی زوجۂ محترمہ تھیں دوسرے مصرعہ میں "یہی تھی" محض بھرتی ہے۔ قرآن اور حدیث کے مطابق سعادت اور ہدایت عطیۂ خدا ہیں۔ ان کا تعلق ارواح سے ہے۔ جنکو ازل کے دن خلق کیا گیا تھا۔ فصاحت اور بلاغت کے تقاضہ سے مندرجہ ذیل اصلاح ضروری تھی۔

یہ لڑکی ہر طرح مانندِ سارہ پاک طینت تھی
ازل سے جسکے حصے میں تقدس کی سعادت تھی

۱۴ صفحہ پر ذیل کے شعر مرقوم ہیں۔

جناب ہاجرہ تھیں دوسری بیوی پیمبر کی
ملا فرزند اسمٰعیل انہیں خوبی مقدر کی
ہوا سارا کو رشک اس امر سے دل میں ملال آیا
نکل جائے یہاں سے ہاجرہ بس یہ خیال آیا

دوسرا شعر شاعری کا ایک نہایت ہی انوکھا نمونہ ہے۔ قدرت کلام اور قابلیت کا آئنہ ہے۔ کیوں نہ ہو۔ حفیظ کا کلام ہے۔ مقبول عوام ہے۔ بوستان پنجاب صدہا سال تک ایسی عندلیب خوشنوا پیدا نہیں کر سکتا۔ قلزم ہندوستان ہزارہا سال تک ایسا یکدانہ گوہر مہیا نہیں کر سکتا۔ دنیائے جہاں کے صیرفیان کمال اس دُر شاہوار کی زیارت کیلئے مضطرب ہیں۔ جسطرح پہلے مصرعہ میں امر بیہودہ ہے۔ اسی طرح دوسرے مصرعہ میں بس فضول ہے۔ اگر شاعر اشعار میں کچھ کاوش کر لیتا تو اسکے نتائج افکار ایسی مکروہ صورت میں دنیا کے سامنے پیش نہ ہوتے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہوا سارا کو اس سے رشک اور رنج و ملال آیا
نکل جائے یہاں سے ہاجرہ۔ دل میں خیال آیا

ناظرین نے شعر کی اصلاح دیکھ لی ہے۔ اور شاعر کی قابلیت کا موازنہ بھی کر لیا ہے۔ ابھی مجھے شاعر کو راہ راست پر لانا ہے۔ اسکے ظلمت کدۂ دل میں نور ایمان کی شمع روشن کرنا ہے۔ اسے دلیل اور معقولیت کا سبق دینا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ یہ لڑکی یعنی ہاجرہ ہر طرح سارہ کی طرح پاک طینت تھی۔ اس کے حصہ میں

تقدس کی سعادت تھی۔ اور سارا نے خود ہاجرہ کو ابراہیم کی زوجیت میں دیا۔ مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ سارہ اور ہاجرہ پاک طینتی اور تقدس میں یکساں تھیں اور سارا اس نکاح پر تہ دل سے راضی تھیں۔ بنا بریں حالات سارا کے دل میں ہاجرہ کے صاحب اولاد ہونے پر ملال آنا اور اسے گھر سے نکال دینے پر آمادہ ہوجانا خلافِ عقل ہے۔

نمبر (۵)

(الم) صفحہ ۱۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

چلا جاتا تھا اس تپتے ہوئے صحرا کے سینے پر
جہاں دیتا ہے انسان موت کو ترجیح جینے پر

حضرت ابراہیم مع حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل بہ حکم خدا عرب کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ چھوٹا سا قافلہ شدائد سفر برداشت کرتا ہوا جا رہا ہے۔ اصول و قواعد کے رُو سے حیات و موت۔ بقا و فنا۔ جینا اور مرنا۔ اٹھنا اور بیٹھنا وغیرہ متناسب ترکیبیں ہیں۔ حیات اور مرنا۔ بقا اور برباد ہونا۔ زیست اور مرنا۔ اٹھنا اور نشست وغیرہ مذموم خلاف محاورہ اور قابلِ اعتراض ترکیبیں ہیں۔ شاعر دوسرے مصرعہ میں موت کو جینے پر ترجیح دیتا ہے۔ غلط تو نہیں۔ مگر عیب سے خالی نہیں۔ حفیظ کی خامیاں پڑھکر ناظرین کو معلوم ہوجائیگا۔ کہ حفیظ کی شاعری بے مہار اونٹ کیطرح ہے۔ جو کبھی ہرے بھرے کھیت میں چرتا دکھائی دیتا ہے اور کبھی خشک پتیاں اور

کانٹے چبھتا نظر آتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

چلا جاتا تھا اس تپتے ہوئے صحرا کے سینے پر
جہاں ترجیح دیتا ہے۔ بشر مرنے کو جینے پر

(۲۴) صـ ۶۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

وہ صحرا جسکی وسعت دیکھنے سے ہول آتا ہے
وہ نقشہ جسکی صورت سے فلک بھی کانپ جاتا ہے

دوسرا مصرعہ شاعر کی خداداد ذہینت کی زندہ تصویر ہے۔ بچارا اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتا۔ کہ نقشہ اور صورت ایک ہی چیز ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک لفظ استعمال ہو سکتا تھا۔ دونوں استعمال نہیں ہو سکتے۔ کیا کبھی ناظرین نے یہ سنا یا پڑھا ہے۔ اس مکان کے نقشے کی صورت بہت دلفریب ہے۔ وحشت ناک صحرا کے نقشے کی صورت دیکھکر کمزور دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔ ہاں اگر شاعر کا مطلب نقشہ سے وہ نقشہ ہے۔ جن کے نمونے سکول کی دیواروں پر طلبا کیلئے آویزاں ہوتے ہیں۔ تو شعر اعتراض سے باہر تھا مگر شعر کی نوعیت اور صورت شاعر کی حمایت نہیں کرتی بلکہ کھلے الفاظ میں مذمت کر رہی ہے۔ کیا اسی ہمہ دانی کے بل پر شاعر کو فردوسیٔ اسلام اور ابو الاثر کہلانے کا جنون ہوا تھا۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

وہ صحرا جسکی وسعت دیکھنے سے ہول آتا تھا
وہ نقشہ دیکھکر جسکو فلک بھی کانپ جاتا تھا

(۴۳) صفحہ ۶۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

جہاں اک اک قدم پر سو طرح جانوں پر آفت تھی
یہ چھوٹی سی جماعت بس وہیں گرم مسافت تھی

پہلے مصرعہ میں "پر" کا تکرار کیسا لطیف اور دوسرے مصرعہ میں "بس" کیا شاندار اور معنی خیز لفظ ہے۔ یہاں نہ ان لفظ کی ضرورت تھی۔ اور نہ مجبوری۔ مگر شاعر بچارا کیا کرے۔ اپنی عادت سے مجبور ہے۔ اگر شہنامہ اسلام بہ عجلت ختم ہو کر فوراً طبع نہ ہوتا تو کیا عجب تھا۔ کہ کوئی اور شخص اس عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے کا شرف حاصل کر لیتا۔ اس صورت میں حفیظ کا نام نامی لوحِ بقا پر فردوسئی اسلام کی حیثیت میں ماہِ تابان کی طرح منور نظر نہ آتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

جہاں اک اک قدم پر سو مصیبت اور آفت تھی
یہ چھوٹی سی جماعت اس جگہ گرم مسافت تھی

(۴۴) صفحہ ۶۲ پر ذیل کے شعر مرقوم ہیں۔

بوقتِ صبح ابراہیم نے اٹھ کر دعا مانگی
سکونِ قلب مانگا خوئے تسلیم ورضا مانگی
کہ اے مالک عمل کو تابعِ ارشاد کرتا ہوں
میں بیوی اور بچے کو یہاں آباد کرتا ہوں
اسی سنسان وادی میں انہیں روزی کا ساماں دے
اسی بے برگ وسامانی کو شانِ صد بہاراں دے
یہیں پر نسلِ اسمٰعیل بڑھ کر قوم ہو جائے
یہ قوم اک روز پابندِ صلوٰۃ وصوم ہو جائے

آخری شعر کے پہلے مصرعہ میں "پر" اور دوسرے مصرعہ میں "یہ قوم اور اک روز" مضحکہ انگیز ہیں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہیں اولادِ اسمٰعیل بڑھ کر قوم ہو جائے
نکو کردار و پابندِ صلوٰۃ و صوم ہو جائے

(۵۸) صفحہ ۶۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

عطش سے کرب و بے چینی جو دیکھی اپنے جائے ہیں
لٹایا خاک پر بچے کو اک پتھر کے سائے میں

زید نے اپنے بیٹے کو پیاسا دیکھا۔ تو بچے کو زمین پر لٹا کر پانی کی تلاش میں چل نکلا۔ مذکورہ جملہ غلط ہے۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ یہاں "بچے" کا لفظ لغو اور بے معنی نہیں ہے۔ جب پیشتر بیٹے کا لفظ آ چکا ہے۔ تو "بچے" کی کیا ضرورت ہے۔ بچے کی بجائے اُسے یا اُسکو چاہیئے تھا۔ مثلاً زید بہت ہونہار لڑکا ہے۔ زید شریف اور محنتی ہے۔ زید کو تمام لوگ پسند کرتے ہیں۔ مذکورہ جملوں کی اصلاح یوں کی جاتی ہے۔ زید بہت ہونہار لڑکا ہے۔ وہ شریف محنتی ہے۔ اسکو تمام لوگ پسند کرتے ہیں۔ نیز مصرعہ اول میں "اپنے" اور مصرعہ دوئم میں "اک" محض بھرتی کے الفاظ ہیں۔

مگر حفیظ بیچارہ جو اسکول میں صرف چھٹی جماعت تک پڑھا ہے۔ ان علمی باتوں کو کہاں سمجھ سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیل پیاس کی شدت سے بیقرار ہیں۔ اور حضرت ہاجرہ پانی مہیا کرنے کی فکر میں ہیں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

عطش سے کرب و بے چینی نظر جو آئی جاتے ہیں
لٹا یا خاک پر اسکو وہیں پتھر گے ساتے ہیں

میں نے شاعر کے قوافی کو قائم رکھتے ہوئے اصلاح کر دی ہے۔ ورنہ جاتے کا لفظ بھی اجکل متروک ہے۔

(۴۶) ص ۶۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یوں ہی بس سات بار آئیں گئیں پانی نہیں پایا
چٹانیں سرخ پائیں ۔ دشت شعلہ آفرین پایا

مصرعہ اول میں بس شاعر کے مخصوص گنجینۂ ہزلیات کا ایک نمونہ ہے۔ نیز نہیں پایا، خلافِ فصاحت ہے نہیں پایا کی بجائے نہ پایا چاہیئے تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

نظر پانی نہ اُن کو ۔ سات بار آئیں گئیں نہ آیا
چٹانیں سرخ پائیں ۔ دست شعلہ آفریں پایا

(۴۷) ص ۶۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ پہلا معجزہ تھا پائے اسمٰعیلِ کمسن سے
کہ چشمہ جس کا زمزم نام ہے جاری ہے اس دن سے

محاورہ میں بالعموم یوں کہا جاتا ہے۔ آنحضرت کے معجزات۔ یدبیضا کا معجزہ۔ عصائے موسوی کے معجزات۔ سیدالشہداء کے معجزات۔ دم عیسےٰ کا معجزہ۔ یہ تمام صورتیں درست ہیں۔ آنحضرت سے معجزات۔ سیدالشہداء سے معجزات وغیرہ لکھنا غیر فصیح ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ پہلا معجزہ تھا پائے اسمٰعیل کمسن کا
یہ چشمہ آبِ زمزم کا عطیہ ہے اسی دن کا

(۴۸) صٓ ۶۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کئی دن بعد دیکھا قافلہ آتا ہے صحرا سے
نگاہوں سے ٹپکتا ہے۔ کہ ہیں یہ لوگ بھی پیاسے

نگاہوں سے قہر و غضب ٹپکتا ہے۔ جلال ٹپکتا ہے۔ شرم و حیا ٹپکتی ہے۔ لیکن پیاس کا ٹپکنا غلط ہے۔ پیاس خشک ہونٹوں سے ٹپکتی ہے۔ اگر شاعر کا اسلوب بیان یہی ہے۔ تو کچھ عجیب نہیں کہ شہنامہ اسلام کے دوسرے حصے میں وہ یوں لکھ دے۔

زید کی آنکھوں سے شوخیٔ رفتار۔ ابرو سے خوبیٔ گفتار رخساروں سے اندازِ خرام ٹپکتے ہیں۔

شنید ہے۔ کہ شہنامہ اسلام کا دوسرا حصہ زیر تصنیف ہے میری آنکھیں بھی اسکی زیارت کیلئے بیتاب ہیں۔ جب وہ مبارک نگیں زینتِ خاتم آفاق ہوگا۔ امید ہے میرا دلِ پُر اشتیاق بھی اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوگا۔ اگر زندگیٔ مستعار نے وفا کی صحت نے رفاقت نہ چھوڑی۔ تقدیر نے مساعدت کی اور کوئی خاص مانع پیش نہ آیا۔ تو انشاء اللہ بقدر ہمت و فرصت اس حصے پر بھی تنقید لکھوں گا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

کئی دن بعد دیکھا قافلہ آتا ہے صحرا سے
ہے ظاہر خشک ہونٹوں سے کہ ہیں یہ لوگ بھی پیاسے

---

(۴۹) صـ۶۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

غرض یہ ہے بنی جرہم نے اب ڈیرا یہیں ڈالا
کیا خوش ہاجرہ کو یعنی اسمٰعیل کو پالا

غُرض یہ ہے۔ کس قدر بھونڈا اور غیر فصیح جملہ ہے۔ اسکی بجائے غرض یا الغرض درست تھا مثلاً حامد نیک چلن ہے۔ خوش خلق اور ہنس مکھ ہے۔ یتیموں اور بیکسوں کا حامی اور محتاجوں کا دستگیر ہے۔ پابند صوم وصلوۃ ہے۔ غرض جامع اوصاف ہے۔ یہ تمام عبارت درست ہے۔ لیکن اگر آخری جملے کو یوں لکھا جائے۔ غرض یہ ہے جامع اوصاف ہے۔ کس قدر مذموم عبارت ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

غرض ڈیرا بنی جرہم نے اب میدان میں ڈالا
کی خدمت ہاجرہ کی یعنی اسمٰعیل کو پالا

مصرعہ دوئم کو بھی مینے عمداً تبدیل کر دیا ہے۔ کیونکہ حفیظ کا یہ مصرعہ قابلِ اعتراض اور قبیح تھا۔

نمبر (۶)

(۵۰) صـ۶۷ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

بہت بشاش دیکھا ہاجرہ کا چہرۂ انور
ہوئے شاداں خلیل اللہ اسمٰعیل سے مل کر
جواں فرزند کے چہرے پہ نورِ حق نما پایا
بنی جرہم کے لوگوں کو وفا سے آشنا پایا

وہیں فرطِ خوشی سے سربسجدہ ہو گئے حضرت
تھکے ہارے ہوئے تھے نیند آئی سو گئے حضرت

تیسرا شعر بظاہر درست ہے۔ مگر عیب سے مبرا نہیں۔ حضرت ہاجرہ ہشاش بشاش نظر آتی ہیں۔ حضرت ابراہیم اسمٰعیل سے مل کر دلشاد ہیں۔ اسمٰعیل کے چہرے پر نورِ حق نما جلوہ ریز ہے، بنی جرہم کے لوگ وفادار ہیں۔ یہ چیزیں محرکِ سجدہ ہیں۔ پس فرطِ خوشی کا موجب سجدہ ہونا معقول نظر نہیں آتا۔ اس کی بجائے شکرانہ حق میں سربسجدہ ہونا بہتر تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

پئے شکرانۂ حق سربسجدہ ہو گئے حضرت!
تھکے ہارے ہوئے تھے نیند آئی سو گئے حضرت

(۵) صـ۶۷ پر یہ شعر مرقوم ہے۔

بشارت خواب میں پائی کہ اٹھ ہمت کا ساماں کر
پئے خوشنودئ مولیٰ اسی بیٹے کو قرباں کر

دوسرے مصرعہ میں اُسی نرالے ڈھنگ میں استعمال کیا گیا ہے۔ نہ موقعہ ہے اور نہ محل۔ نہ ضرورت ہے نہ مجبوری۔ محض شوخئ طبع ہے۔ حیرت ہے۔ کہ شاعر معمولی الفاظ کو بھی موزونیت سے استعمال نہیں کرسکتا۔ شاعر کا قلم اس سرکش اور منہ زور گھوڑے کے مشابہ ہے۔ جو سوار کو گرا کر ہموار اور ناہموار زمینوں پہ بے روک ٹوک بھاگتا پھرے۔ نظرِ غائر پہچان لیگی۔ کہ یہاں اُسی کی بجائے اُس موزون اور مناسب ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بشارت خواب میں پائی کہ اٹھ ہمت کا ساماں کر
خدا کی ہے خوشی اس میں کہ اس بیٹے کو قرباں کر

(۵۲) صـ۶۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

خلیل اللہ اٹھے خواب سے دل کو یقیں آیا
کہ آخر امتحاں بندے کا مالک نے ہے فرمایا

دوسرے مصرعہ میں "آخر" بے معنی اور بیہودہ ہے۔ خواہ مخواہ وزن پورا کرنے کیلئے ٹھونس دیا گیا ہے۔ شاعر کی خام کاری کا ظاہر ثبوت ہے۔ بے موقعہ اور بے محل استعمال کیا گیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر شہنامۂ اسلام کے اشعار میں شاعر کچھ کاوش کر لیتا۔ ایک صفحہ بھی ایسا نہیں۔ جو معیار شاعری پر پورا اتر سکے۔ غلطیوں کی کثرت اور خامیوں کی فراوانی کی وجہ سے حفیظ کی شاعری دنیا میں عدیم المثال رہیگی۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

خلیل اللہ اٹھے خواب سے دل کو یقیں آیا
کہ مالک کی رضا نے امتحاں بندے کا فرمایا

(۵۳) صـ۶۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

اٹھا مرسل اسی عالم میں رسی اور تبر لیکر
پئے تعمیل چل نکلا خدا کا پاک پیغمبر

شاعر لکھتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم رسی اور تبر لیکر روانہ ہوئے کس قدر صریح غلطی ہے۔ آپ تبر لیکر نہیں نکلے بلکہ چھری لیکر نکلے تھے۔ حفیظ کا اپنا شعر مندرجہ صـ۶۹ ملاحظہ ہو۔

ہوئے اب ہر طرح تیار دونوں باپ اور بیٹا
چھری اس نے سنبھالی تو یہ جھٹ قدموں میں آلیٹا

شاعر کا دماغ مرضِ نسیان میں گرفتار معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ اتنی جلدی صحیح لفظ بھول نہ جاتا۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ وہ تبر اور چھری کو ایک چیز سمجھتا ہو۔ فارسی دانی سے اس کا دماغ برائے نام آشنا معلوم ہوتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

اٹھا مرسل اسی عالم میں رسی اور چھری لیکر
پئے تعمیل چل نکلا خدا کا پاک پیغمبر

(۵۷) صث۶۷ پر ذیل کے شعر مرقوم ہیں۔

پہاڑی پر سے دی آواز اسمٰعیل ادھر آؤ
یہاں آکر خدائے پاک کا ارشاد سن جاؤ
پدر کی یہ صدا سنکر پسر دوڑا ہوا آیا
رکا ہرگز نہ اسمٰعیل گو شیطاں نے بہکایا

دوسرا شعر عجیب نادانی اور بے علمی کی مثال ہے۔ شاعر قواعد سے بے بہرہ معلوم ہوتا ہے۔ سیدھی سادھی راہ میں صدہا ٹھوکریں کھاتا ہے۔ شاعر کا دوسرا شعر قابل غور ہے۔ اس میں بھی وہی عیب ہے جسکی توضیح پیشتر ازیں دو تین اشعار میں کر چکا ہوں۔ پدر کی یہ صدا سنکر پسر دوڑتا آیا۔ گو شیطان نے بہکایا لیکن اسمٰعیل ہرگز نہ رکا۔ اس عبارت میں اُسمٰعیل کی بجائے وہ چاہیئے تھا۔ اسمٰعیل لکھنا معیوب ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

پدر کی یہ صدا سنکر پسر ڈرا ہوا آیا !
رکا دم بھر نہ وہ سننے میں گوشیطاں نے بہکایا

(۵۵) صفحہ ۶۸ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں ۔

پدر بولا کہ بیٹا آج میں نے خواب دیکھا ہے
کتاب زندگی کا اک نرالا باب دیکھا ہے ۔
یہ دیکھا ہے کہ میں خود آپ تجھ کو ذبح کرتا ہوں
خدا کے نام سے تیرے لہو میں ہاتھ بھرتا ہوں

تیسرے مصرعہ میں میں اور خود اور آپ نئی قسم کی بے معنی جدت ہے ۔ میں تجھکو ذبح کرتا ہوں ۔ یہی جملہ ادائے مطلب کیلئے کافی تھا ۔ اگر مطلب کو قوی کرنا مقصود تھا ۔ تو میں خود تجھکو ذبح کرتا ہوں ۔ لکھدینا ۔ لیکن میں خود آپ تجھکو ذبح کرتا ہوں ۔ نہایت مکروہ ترکیب ہے ۔ مادر اردو حفیظ ایسے ہونہار سپوت پر ہمیشہ فخر کیا کریگی جسکی نظم گوش سخن کیلئے آویزۂ گراں بہا ثابت ہوگی ۔ اصلاح ملاحظہ ہو ۔

یہ دیکھا ہے ۔ تجھے میں خود چھری سے ذبح کرتا ہوں
خدا کے نام سے ۔ تیرے لہو میں ہاتھ بھرتا ہوں

(۵۶) صفحہ ۶۸ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں ۔

کہا فرزند نے ۔ اے باپ ۔ اسمٰعیل صابر ہے
خدا کے حکم پر بندہ بپتے تعمیل حاضر ہے
مگر آنکھوں پہ اپنی آپ پٹی باندھ لیجے گا ۔
مرے ہاتھوں میں اور پیروں میں رسی باندھ دیجے گا

دوسرا شعر خامیوں کا انوکھا نمونہ ہے۔ پہلے مصرعہ میں آپ بے معنی اور فضول ہے۔ شاعر کی عدم قابلیت کی دلیل ہے۔ دوسرا مصرعہ از سرتا پا غلط ہے۔ ہاتھوں اور پیروں میں رسی نہیں باندھتے بلکہ بلکہ ہاتھوں اور پیروں کو رسی سے باندھتے ہیں۔ شاعر معمولی سے معمولی مضمون کو درست اردو میں ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اگر اُس کے اشہب سخن کو آغاز ہی میں تازیانۂ تنقید سے سدھایا جاتا۔ تو آج اُسکی بے ڈھنگی جولانیاں زمینِ شعر کی خاک نہ اڑاتیں

اصلاح ملاحظہ ہو۔

مگر آنکھوں پر اپنی ایک پٹی باندھ لیجے گا
رسن کے ساتھ میرے دست و پا کو باندھ دیجیگا

(۵۷) صفحہ ۶۹ پر ذیل کے شعر مرقوم ہیں۔

ہوئے اب ہر طرح تیار دونوں باپ اور بیٹا
چھری اُس نے سنبھالی تو یہ جھٹ قدموں میں آلیٹا
پچھاڑا اور گھٹنا سینۂ معصوم پر رکھا
چھری پتھر پہ رگڑی۔ ہاتھ کو حلقوم پر رکھا

مذکورہ دونوں اشعار پر جتنی ہنسی اڑائی جائے۔ کم ہے۔ بہتر تھا کہ شاعر جذبات اور ولولوں کو غزل تک محدود رکھتا۔ شہنامۂ اسلام ٹیڑھی کھیر تھی۔ اس کے پاس تک نہ پھٹکتا۔ یہ مقدس اور عالیشان کام کسی قابل دماغ کیلئے چھوڑ دیتا۔ شاعر کا پہلا شعر ملاحظہ ہو۔ دونوں باپ اور بیٹا ہر طرح تیار ہیں۔ باپ ذبح کرنے پر ہمہ تن مستعد ہے۔ بیٹا ذبح ہونے پر بہ رضا و

رغبت کمربستہ ہے۔ انکار اور پس و پیش یک قلم مفقود ہیں۔ باپ رسول اور بیٹا نبی ہے۔ دونوں کے دل نور عرفاں سے معمور ہیں۔ رازِ زندگی کو کماحقہٗ سمجھتے ہیں۔ اندریں حالات مذکورہ اشعار میں تین خامیاں ہیں۔ (۱) جھٹ بے معنی اور لغو ہے۔ جب باپ اور بیٹا اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کامل طور پر آمادہ ہیں۔ تو جھٹ بلا ضرورت ہے۔ (۲) بچھاڑا کا لفظ حد درجہ قبیح ہے۔ شاعر کے خیال میں باپ اور بیٹے کے درمیان معرکہ کی کشتی واقعہ ہوئی۔ بہت ریل پیل کے بعد باپ زبردست ثابت ہوا۔ جسنے بیٹے کو چاروں شانے چت گرایا۔ عجیب مضحکہ انگیز لفظ ہے۔ (۳) گھٹنا سینۂ معصوم پر رکھا۔ شاعر کے خیال میں اسمعیل صابر اور صادق نہ تھا باپ کو شک تھا۔ کہ بیٹا چھری کی ضرب سے گھبرا کر بھاگ اٹھیگا۔ یا تڑپ کر قابو سے باہر ہو جائیگا۔ اسلئے باپ نے بیٹے کے سینہ پر گھٹنا رکھا۔ جس طرح قصاب گوسفند کو یا شکاری ہرن کو ذبح کرتا ہے۔ ان دونوں اشعار میں جتنا زیادہ غور کیا جائے اتنا ہی ان کا بیہودہ پن ظاہر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں شاعر شان رسالت و نبوت کو نہیں جانتا۔ ورنہ ایسے گستاخانہ اشعار نظم نہ کرتا۔

(۵۸) صفحہ ۶۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مشیّت کا مگر دریائے رحمت جوش میں آیا
کہ اسمعیل کا اک رونگٹا کٹنے نہیں پایا

مصرعہ دوئم میں "نہیں" کا استعمال مذموم ہے۔ "نہیں" کی بجائے "نہ" چاہیئے تھا۔ نیز رونگٹا کٹنا غیر معروف ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مشیت کا مگر دریائے رحمت جوش میں آیا
کہ اسمٰعیل کا بیکا نہ ہونے بال تک پایا

(۵۹) ص ۶۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

خطاب اس دن سے اسمٰعیل نے پایا ذبیح اللہ
خدا نے آپ ان کے حق میں فرمایا ذبیح اللہ

مصرعہ اول میں "خطاب" غلط ہے۔ اس کی بجائے "لقب" چاہیئے تھا۔ خطاب اس وصفی لقب کو کہتے ہیں۔ جو بادشاہوں یا حاکموں کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ مثلاً خان بہادر۔ سر۔ نائٹ شمس العلما۔ ملک الشعرا وغیرہ لیکن لقب وہ نام ہے۔ جو بالعموم بدح پر شامل ہو مثلاً روح اللہ۔ کلیم اللہ۔ خلیل اللہ۔ ذبیح اللہ۔ مصطفےٰ۔ مرتضیٰ۔ وغیرہ۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

لقب اس دن سے اسمٰعیل نے پایا ذبیح اللہ
خدا نے آپ ان کے حق میں فرمایا ذبیح اللہ

نمبر (۷)

(۶۰) ص ۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بشارت پا کے دونوں پاک بندے اک جگہ آئے
جہاں جبریل نے کعبہ کے نقشے ان کو سکھلائے

دوسرے مصرعہ کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خداوند عالم نے کعبہ کے متعدد نقشے بنائے تھے۔ اور حضرت ابراہیم کی پسندیدگی پر چھوڑ دیا تھا۔ کہ ان میں سے ایک کو پسند کرلے۔ بہ الفاظ دیگر

خداوندِ عالم نعوذ باللہ نقشۂ مکان بنانے میں خام اور ناتجربہ کار تھا۔ کسی ایک نقشے کی صحت پر وثوق نہ تھا۔ اگر کہا جائے۔ کہ ایک ہی مکان کے کئی درست نقشے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حجرۂ مسجد کا نقشہ۔ غسل خانۂ مسجد کا نقشہ۔ مقامِ وضو کا نقشہ۔ صحنِ مسجد کا نقشہ۔ کمرۂ مسجد کا نقشہ وغیرہ۔ یہ تاویل بھی بیکار ہے۔ یہ تمام امور ایک ہی نقشہ میں آجاتے ہیں۔ پس دوسرا مصرعہ بہر صورت لغو اور بیہودہ ہے۔ اور شاعر کی نادانی کی دلیل ہے۔ مذکورہ شعر میں ایک اور تاریخی قباحت ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ خدا نے حضرت ابراہیم کو بشارت دی تھی اور جبریل نے کعبے کا نقشہ بھی ان کو دکھایا تھا۔ حضرت اسمٰعیل ان دونوں امور سے تعلق نہ رکھتے تھے۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

خلیل اللہ بشارت کے مطابق اک جگہ آیا
جہاں جبریل نے کعبے کا نقشہ اسکو دکھلایا

واضح ہو کہ سکھلایا سے دکھلایا بہتر اور موزون ہے۔ اہل نظر اسے بخوبی پہچانتے ہیں۔

(۶۱) ص۲۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہی مرکز ہے سارے دہر میں ایمان والوں کا
جھکے گا سر یہیں پر آکے اونچی شان والوں کا

کعبہ تعمیر ہو چکا ہے۔ حضرت ابراہیم فرازِ کوہ پر تشریف فرما ہیں اور بلند آواز سے لوگوں کو حج و عبادت کیلئے بلا رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ یہی مقام پاک تمام دنیا میں ایمان والوں کا مرکز ہے

اور اسی جگہ اہلِ ثروت و اقبال کا سر جھکیگا۔ مصرعۂ دوئم میں پُر
ور آگے دونوں الفاظ لغو اور بے معنی ہیں۔ شاعر کی نااہلیت
کو ظاہر کرتے ہیں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہی مرکز ہے سارے دہر میں ایمان والوں کا
جھکے گا سر اسی کے در پہ اونچی شان والوں کا

(۴۲) صـ۲۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مگر فرزند سے ہر سال آکر مل ہی جاتے تھے
ادائے حج کی خاطر اس طرف ہر سال آتے تھے

دونوں مصرعوں میں ہر سال قبیح اور مکروہ ہے۔ میرے خیال
میں شعرائے دورِ حاضرہ کو اپنا کلام حضرت ابوالاثر کی خدمت
اقدس میں بغرض اصلاح بھیجنا چاہیئے۔ تاکہ خامیوں سے پاک اور
صاف ہو جائے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مگر لختِ جگر سے آپ آکر مل ہی جاتے تھے
کہ بہرِ حج و عمرہ اسطرف ہر سال آتے تھے

(۴۳) صـ۲۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

رسالت آج فرزندانِ ابراہیم نے پائی
خدا نے یہ امانت اب انہیں تفویض فرمائی

مذکورہ شعر میں دو نقائص ہیں۔ رسالت اور اب۔ اسمٰعیل اور
اسحاق رسول نہ تھے۔ بلکہ نبی تھے۔ ابراہیم رسول تھے۔ رسول
صاحب کتاب اور نبی ہوتا ہے۔ مگر نبی صاحب کتاب اور رسول
نہیں ہوتا۔ نبی محض خدا کا فرستادہ اور پیغمبر ہوتا ہے۔ جو شاعر

رسول اور نبی کے معنی نہیں جانتا۔ وہ شہنامۂ اسلام لکھنے کی اہلیت کہاں تک رکھ سکتا ہے۔ مذکورہ شعر میں دوسرا عیب یہ ہے۔ کہ اب زائد از ضرورت ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ زید آج امتحانِ مقابلہ میں اول رہا اور اسے ترقی عطا ہوئی۔ مگر یہ کہنا غیر فصیح ہوگا۔ زید آج امتحانِ مقابلہ میں اول رہا اور اب اسے ترقی عطا ہوئی۔ آج اور اب معنوی لحاظ سے ایک ہی چیز ہیں۔ شاعر کا دماغ ان دقائق کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

نبوت آج فرزندانِ ابراہیم نے پائی
امانت یہ خدائے پاک نے تفویض فرمائی

(۶۴) صفحہ ۶۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ذبیح اللہ ہوئے مرسل عرب کے رہنے والوں پر
ہوئے مامور اہلِ شام پر اسحاق پیغمبر

ذبیح اللہ یعنی حضرت اسمعیل مرسل نہ تھے۔ بلکہ نبی تھے۔ شاعر کی ناقابلیت کا ثبوت ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

پیمبر تھے ذبیح اللہ عرب کے رہنے والوں پر
ہوئے مامور اہلِ شام پر اسحاق پیغمبر

(۶۵) صفحہ ۶۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

خدا کے فضل سے ہنسی ہوئی دلشاد دونوں کی
بڑھی ہر دو ممالک میں بہت اولاد دونوں کی

خوشخبری سنکر دل خوش ہوتا ہے۔ روح خوش ہوتی ہے۔

مگر ہستی کا خوش اور دلشاد ہونا غلط ہے۔ جسے شاعر کی جاہلانہ جدّت کہ سکتے ہیں۔

(۶۶) صفحہ ۷۵ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

ہوئے اسحاق کے فرزند اسرائیل پیغمبر
ملے فرزند انہیں بارہ بفضل حضرتِ داور!
اِن ہی میں حضرتِ یوسف نے مرسل کا لقب پایا
خدا نے ان کو اہلِ مصر پر مبعوث فرمایا

حضرت یوسف مرسل نہ تھے بلکہ نبی تھے۔ شاعر کی نااہلیت کا ثبوت ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

پیمبر کا ان ہی میں ماہِ کنعاں نے لقب پایا
خدا نے اس کو اہلِ مصر پر مبعوث فرمایا

(۶۷) صفحہ ۷۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

خدائے پاک نے موسیٰ کو ان میں کردیا پیدا
جو بچپن ہی سے آزادی و حرّیت پہ تھے شیدا

مذکورہ شعر قواعد کے رُو سے غلط ہے۔ غور طلب خامی ہے۔ ناظرین بھی توجہ سے کام لیں۔ مثلاً استاد نے حمید کو شرارتی لڑکوں سے علیحدہ بٹھا دیا۔ جو شرارتوں میں وقت ضائع کرتے تھے۔ جو کی ضمیر شرارتی لڑکوں کیطرف راجع ہے۔ قواعد کے لحاظ سے ضمیر کا رجوع متصلہ اسم سے ہوا کرتا ہے۔ دوسری زبانوں میں بھی یہی اصول مسلّم ہے۔ اب جملے کی دوسری صورت دیکھئے استاد نے شرارتی لڑکوں سے حمید کو علیحدہ بٹھادیا۔ جو شریف اور لائق تھا۔

"جو" کی ضمیر حمید کی طرف راجع ہے۔ اس قاعدے کی خلاف ورزی نادانی کو ظاہر کرتی ہے۔ مگر حفیظ ان نکات کو کیا جانے۔ مذکورہ شعر سے قواعد کے مطابق یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل بچپن ہی سے آزادی اور حریت پر شیدا تھے۔ کیونکہ مصرعہ دوئم کا اتصال "اُن" یعنی بنی اسرائیل سے ہے۔ حالانکہ شاعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ موسےٰ بچپن ہی سے آزادی وحریت پر شیدا تھے۔ بنی اسرائیل تو نہایت ذلیل وخوار تھے اور ان کے دل غلامی کے خُوگر ہو کر مردہ ہو چکے تھے۔ ان کا آزادی اور حریت پہ شیدا ہونا محال تھا۔ شاعر کی اردو دانی کو نور کہیں تو قواعد دانی کو نورٌ علیٰ نور کہنا پڑیگا۔ شاعری ہے کہ حسنِ تخیل میں غیرتِ حور ہے۔ صنائع وبدائع کے انوار سے رشکِ تجلیٔ طور ہے۔ کیوں نہ ہو۔ فردوسیٔ اسلام ہے۔ مخاطبِ قوتِ الہام ہے۔ آوازِ ارشادِ خیرالانام ہے۔ ان تینوں لن ترانیوں کی تصدیق ملاحظہ ہو۔

مبارک ہو ترے آغاز کا انجام ہو جانا
مبارک ہو تجھے فردوسیٔ اسلام ہو جانا
نوید صبح بخشی ہے سکوتِ شام نے مجھ کو
مخاطب کر لیا ہے قوتِ الہام نے مجھ کو
بظاہر مَیں جو تصویرِ سخن میں رنگ بھرتا ہوں
کسی آواز کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں

اب مَیں مذکورہ شعر کی اصلاح کیطرف ملتفت ہوتا ہوں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

خدا نے کر دیا اُن میں کلیمُ اللہ کو پیدا
جو بچپن ہی سے آزادی و حرّیت پہ تھے شیدا

(۶۸) صؔ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

جگایا قوم کی تقدیر کو آوازِ موسیٰ نے
کیا فرعون کو غرقابِ نیل اعجازِ موسیٰ نے
عصائے موسوی نے پتھروں کو آب کر ڈالا
بیابانوں کو ان کے واسطے شاداب کر ڈالا

پہلے مصرعہ میں "قوم" کا لفظ تقاضا کرتا ہے۔ کہ آخری مصرعہ میں "اُن" کی بجائے اس استعمال کیا جائے۔ قوم صیغہ واحد میں ہے۔ اسلئے ضمیر کا بھی واحد ہونا ضروری ہے۔ "اُن" غلط ہے۔ اگر افرادِ قوم لکھا جاتا تو "اُن" درست تھا۔ یہ غلطی بھی شاعر کی قواعد دانی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

جگایا قوم کی تقدیر کو آوازِ موسیٰ نے
کیا فرعون کو غرقابِ نیل اعجازِ موسیٰ نے
عصائے موسوی نے پتھروں کو آب کر ڈالا
بیابانوں کو اس کے واسطے شاداب کر ڈالا

(۶۹) صؔ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہی وہ قوم ہے جس کیلئے کھانوں کے مینہ برسے
کہ اُترے من سلویٰ انکی خاطر آسمان پر سے

مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعہ میں "اُن" کی بجائے "اُس" چاہیئے تھا۔ کیونکہ "اُن" کی ضمیر قوم کیطرف راجع ہے۔ چونکہ قوم

صیغہ واحد میں ہے۔ اس لئے "اُن" کی بجائے "اُس" کا استعمال
درست تھا۔ "اُن" کسی حالت میں درست نہیں ہو سکتا۔
سبحان اللہ۔ قواعد دانی میں شاعر کا مرتبہ کس قدر ارفع ہے۔
اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہی وہ قوم ہے جس کیلئے کھانوں کے مینہ برسے
کہ اترے من و سلویٰ اسکی خاطر آسمان پرسے

نمبر (۸)

(۷۰) صـ۷۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

اسے ایوب و ذکریا و یحییٰ نے بھی سمجھایا
چلن اس قوم کا لیکن نہ ہرگز راہ پر آیا

مصرعۂ دوئم میں "ہرگز" لغو اور بے معنی ہے۔ یہ لفظ بھی ان الفاظ سے مشابہ ہے۔ جو حفیظ کے مخصوص کنزِ لغویات کے نور بارہ گوہر ہیں۔ یاد نہ رہے ہوں تو ان میں سے دو چار کا اعادہ کر دیتا ہوں۔ مثلاً آخر۔ گویا۔ غرض۔ بس۔ ہر سو۔ فوراً۔ یعنی۔ اک وغیرہ۔ بظاہر "ہرگز" کا استعمال درست معلوم ہوتا ہے۔ مگر دراصل معیوب اور غیر فصیح ہے۔ اس بات کو اساتذہ کے کلام پڑھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں۔

اصلاح ملاحظہ ہو:۔

اسے ایوب و ذکریا و یحییٰ نے بھی سمجھایا
چلن اس قوم کا لیکن نہ سیدھی راہ پر آیا

(۷۱) ص ۸۰ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے :-

مسیح ابن مریم نے بہت اسکو ہدایت کی
مگر یہ آخری دم تک رہی منکر رسالت کی

مسیح کے معنی ہیں۔ مسح کیا گیا یا ملا گیا۔ چونکہ فرشتوں نے حضرت عیسٰے کے سر پر تیل ملا تھا۔ اس لئے آپ کو مسیح کہتے ہیں۔ مسیح نام نہیں ہے۔ لقب ہے۔ آپ کا نام عیسٰے تھا۔ لقب کے لحاظ سے آپ کو روح اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کا لقب خلیل اللہ۔ حضرت موسٰے کا لقب کلیم اللہ۔ حضرت اسمٰعیل کا لقب ذبیح اللہ اور آنحضرت کا لقب مصطفٰے تھا۔ لقب اور نام دو چیزیں ہیں مثلاً یہ کہنا درست ہے۔ موسیٰ بن عمران۔ اسمٰعیل بن ابراہیم۔ محمد بن عبداللہ۔ مگر یہ کہنا غلط ہے۔ کلیم اللہ بن عمران۔ ذبیح اللہ بن ابراہیم۔ مصطفٰے بن عبداللہ۔ یہ جدت بھی شاعر کی جہالت کی دلیل ہے۔ شاعر یا شاعر کا کوئی ہواخواہ اس اعتراض کی تردید نہیں کرسکتا۔ لغو اور غیر معقول تاویلیں قابلِ قبول نہ ہونگی۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

اگرچہ ابنِ مریم نے بہت اسکو ہدایت کی
مگر یہ آخری دم تک رہی منکر رسالت کی

(۷۲) ص ۸۰ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ملی اسحاق کی اولاد کو شانِ حکومت بھی
متاعِ دنیوی بھی اور روحانی رسالت بھی

روحانی رسالت کہئے اور محض رسالت۔ بات ایک ہی ہے۔

مفہوم رسالت ہی ہوگا۔ اسحاق رسول نہ تھے۔ نبی تھے۔ اس لئے یہ شعر شاعر کی جہالت کا آئینہ ہے۔ اس شعر کو بہ آسانی اس طرح بیان کر سکتا تھا۔ جو اعتراض سے بھی باہر ہوتا۔

ملی اسحاق کی اولاد کو شان حکومت بھی
امارت دینوی بھی اور روحانی قیادت بھی

(۸۳) ص۸۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
کہ جس نے ہو کے تائب اپنی خو خصلت نہیں بدلی

مصرعہ دوئم میں "اپنی" بیہودہ اور غیر ضروری ہے۔ فن شاعری اس کا نام ہے۔ قدرت کلام اسی کو کہتے ہیں۔ اور فصاحت و بلاغت کی یہی تعریف ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
کہ جس نے توبۂ صادق سے خو خصلت نہیں بدلی

(۸۴) ص۸۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ذبیح اللہ کی اولاد کا بھی ماجرا سُن لو
وہاں وعدہ خدا کا کس طرح پورا ہوا سن لو

مصرعہ دوئم میں "وہاں" بے معنی اور فضول ہے۔ وہاں صرف اس صورت میں استعمال ہو سکتا تھا۔ کہ پہلے مصرعہ میں کسی شہر۔ مکان یا بستی کا ذکر ہو۔ مصرعہ اول میں ذبیح اللہ کی اولاد کا تذکرہ ہے۔ اس صورت میں وہاں کی بجائے اُس سے یا جس سے چاہیئے تھا۔ یہ غلطی بھی شاعر کی قواعد دانی کا

بیّن ثبوت ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ذبیح اللہ کی اولاد کا بھی ماجرا سُن لو
خدا کا اُس سے وعدہ کس طرح پورا ہوا سن لو

(۷۵) ص۸۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

پسر بارہ دیئے اللہ نے اس پاک ہستی کو
بسایا یوں عرب کی ہر بلندی اور پستی کو

مذکورہ بالا شعر میں کوئی خامی نہیں۔ اس شعر اور مندرجہ ذیل اشعار کے اندراج سے مقصود یہ ہے۔ کہ ناظرین ہُر بلندی اور پستی سے شاعر کی ہمدردی ملاحظہ کریں۔ ص۸۲۔ ص۱۱۱۔ ص۱۴۰ پر ترتیب وار یہ اشعار مندرج ہیں۔ ناظرین ان چار بلندیوں اور پستیوں سے محظوظ ہونگے۔

بہت قومیں اُٹھیں اور چھا گئیں میدانِ ہستی پر
پھریرے خوب اڑائے ہر بلندی اور پستی پر
اندھیرا چھا چکا جب ظلم کا دنیائے ہستی پر
ہوا شیطاں مسلط ہر بلندی اور پستی پر
سحابِ نور آکر چھا گیا مکے کی بستی پر
ہوئی پھولوں کی بارش ہر بلندی اور پستی پر

(۷۶) ص۹۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہوئے پیوندِ خاک آخر اسیری اور کلدانی
سرافرازوں کی شوکت موت نے کچھ بھی نہیں مانی

دوسرا مصرعہ قواعد اور زباندانی کے لحاظ سے غلط ہے۔ ”نہیں“ کی

بجائے "نہ" چاہیئے۔ پیشتر ازیں بھی شاعر "نہیں" کا دو تین مقامات پر غلط استعمال کر چکا ہے۔ جنکی اصلاحیں بھی کر چکا ہوں۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہوئے پیوند خاک آخر اسیری اور کلدانی!
اجل نے شان و شوکت سرفرازوں کی نہ کچھ مانی

(۷۷) صـ ۸۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

سکندر اور اسکے وہ عظیم الشان منصوبے
کہیں ابھرے نہیں بحرِ فنا میں اس طرح ڈوبے

مصرعِ دوئم میں "نہیں" معیوب اور مذموم ہے۔ موقعہ ہو یا نہ ہو۔ شاعر اپنی عادت کے مطابق "نہیں" ضرور لکھ دیتا ہے۔ اہلِ مذاق پر بخوبی روشن ہے۔ کہ "نہیں" نے مصرعۂ دوئم کو کس قدر عمومیت کا رنگ دید یا ہے۔ اور معنوی خوبی کو کہاں تک برباد کر دیا ہے۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

سکندر اور اُسکے وہ عظیم الشان منصوبے
نہ پھر ابھرے کہیں بحرِ فنا میں اس طرح ڈوبے

(۷۸) صـ ۸۳ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

فقط اہلِ عرب اس منقلب دنیا میں ایسے تھے
کہ روزِ اولیں سے آج تک ویسے کے ویسے تھے
یہ ملک ایسا تھا حاصل ان کو آزادی کی نعمت تھی
قبیلے آپ خود مختار تھے اپنی حکومت تھی

تیسرا مصرعہ قواعد کے لحاظ سے غلط ہے۔ غلط نثر ملاحظہ ہو۔

یہ ایسا ملک تھا۔ ان کو آزادی کی نعمت حاصل تھی۔ درست نثر ملاحظہ ہو ۔ یہ ایسا ملک تھا جس کو یا جیسے آزادی کی نعمت حاصل تھی۔ اب ناظرین کو مصرعہ سوئم کی بیہودگی کا یقین آچکا ہوگا۔ حیران ہوں کہ شاعر چھٹی ساتویں جماعت کی قواعد اردو بھی نہیں جانتا۔ اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَانِ ؕ کا مقولہ صحیح ہے۔ میں بھی اسے مانتا ہوں۔ مگر خطا اور نسیان کا دائرہ غیر محدود نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں دقیق خامیوں کا سرزد ہونا خارج از امکان نہیں ہے۔ میر انیس جیسے استادِ فنِ سخن نے دو چار ٹھوکریں کھائی ہیں۔ جو ناقابلِ التفات ہیں۔ یورپ کے مشہور شاعر شیکسپیر کی شاعری پر قدح کی گئی ہے۔ جو چنداں قابلِ توجہ نہیں۔ مرزا غالب کے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ جسے اکثر سخن فہم طبائع حسد پر محمول کرتی ہیں۔ اقبال کی خامیاں کسی شاعر جراح نے بصورت کتاب طبع کی ہیں۔ سعدی اور حافظ کا کلام بھی نکتہ چینی سے محفوظ نہیں۔ یہ سب کچھ درست اور مسلّم ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ حفیظ کی خامیاں کس قسم اور کس نوعیت کی ہیں اور کس تعداد میں ہیں۔ کوئی صفحہ ایسا نظر نہیں آتا۔ جہاں خامیاں اور غلطیاں زبانِ حال سے ذیل کا مصرعہ بلند آواز سے نہ کہتی ہوں۔

درد اُٹھ اٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا۔

دوسرے شعر کی اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ ملک ایسا تھا حاصل جسکو آزادی کی نعمت تھی
قبیلے آپ خود مختار تھے اپنی حکومت تھی

(۸۹) صفحہ ۸۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

عرب پر کوئی آکر حملہ آور ہو نہ سکتا تھا!
کوئی فاتح بُری نیت سے اس جانب نہ تکتا تھا

دوسرے مصرعہ میں بُری نیت سے بازاری ترکیب ہے۔ معیارِ سخن سے گری ہوئی اور فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ اس کی اصلاح بغیر کاوش و کاہش کے یوں ہو سکتی تھی۔

عرب پر کوئی آکر حملہ آور ہو نہ سکتا تھا
کوئی فاتح اٹھا کر آنکھ اس جانب نہ تکتا تھا

نمبر (۹)

(۹۰) صفحہ ۸۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

قصی ابن کلاب ان میں بہت ہی شان والا تھا
بڑا زیرک بڑا تاجر بڑا اسامان والا تھا

مصرعۂ دوئم میں بڑا اسامان والا غلط ہے۔ اس کی بجائے بڑے سامان والا چاہیئے تھا۔ چونکہ شہنامہ اسلام کے غلط نامہ میں اس لفظ کی صحت درج نہیں ہے۔ اس لئے میرا حق ہے۔ اس غلطی کو خامیوں کی فہرست میں شامل کر دوں۔ اور حفیظ کی شاعری اور قواعد دانی کا نمونہ پبلک کے سامنے پیش کروں۔
اصلاح ملاحظہ ہوں۔

قصی ابنِ کلاب ان میں بہت ہی شان والا تھا
بڑا زیرک۔ بڑا تاجر بڑے سامان والا تھا

(۱۸) صفحہ ۸۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

فواحش اور زناکاری یہ من بھاتی عبادت تھی
شرابیں پی کے ننگے ناچنا یہ عام عادت تھی

فواحش اور زناکاری کسی قوم کی من بھاتی عبادت نہیں ہو سکتی۔ ایسے امور قبیح عادت میں داخل ہوتے ہیں۔ تاریخ دنیا اب تک جتنے مذاہب پیش کر سکی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے۔ جو فواحش اور زناکاری کو داخل عبادت خیال کرے۔ بتوں کو پوجا گیا اور پوجا جاتا ہے۔ مگر یہ لوگ فواحش و زناکاری کو جزوِ عبادت خیال نہیں کرتے۔ آگ کی پرستش ہوئی اور ہو رہی ہے۔ مگر یہ لوگ فواحش اور زناکاری کو عبادت کا حصہ نہیں جانتے۔ خدا کی ہستی سے انکار کیا گیا۔ اور کیا جا رہا ہے۔ مگر یہ خدا کے منکر بھی فواحش اور زناکاری کو عبادت نہیں سمجھتے۔ اہل عرب کا مرتبہ فواحش و زناکاری میں بلاشک وشبہ ممتاز تھا۔ شرم و حیا سے عاری اور انسانیت سے معرا تھے۔ قتل و غارت کے دلدادہ اور تاخت و تاراج کے عادی تھے۔ کینہ۔ حسد۔ بغض۔ شہوت۔ قساوت قلب۔ بے دینی۔ شقاوت۔ الحاد غرض تمام قبائح ان کے رگ و ریشہ میں سمائے ہوئے تھے۔ مگر عبادت کے وقت بتوں کو خدا سمجھ کر نہایت ادب اور تعظیم سے ان کے سامنے سر بخم ہوتے تھے۔ الحاح و انکسار سے دعائیں مانگتے۔ بتوں کو

جواہرات پہناتے۔ صاف ستھرا رکھتے۔ امراض اور مصائب میں ان کی طرف رجوع کرتے اور طالب اعانت ہوتے۔ فواحش اور زناکاری پر بھی لٹو تھے۔ مگر انہیں عبادت نہ جانتے تھے۔ شاعر نے جو چاہا۔ کہدیا۔ یہ نہ سمجھا کہ اس کے ڈھکوسلوں کو عقلِ سلیم قبول نہیں کریگی۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

فواحش اور زناکاری کی بچپن سے انہیں لت تھی
شرابیں پی کے ننگے ناچنا یہ عام عادت تھی

(۸۲) صـ۸۹ـ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

زبان زد ہو گئی تھی بیٹیوں سے ان کی سفاکی
کہ بیٹی کو سمجھ لیتے تھے یہ بیوی کی ناپاکی

پہلے مصرعہ میں صفائی۔ سلاست۔ اور روانی نہیں ہے۔ مطلب کو واضح کرنے میں الجھا ہوا ہے۔ غلط نہیں ہے۔ اگر کاوش سے اسکی صورت تبدیل کردی جاتی تو بہتر ہوتا۔ دوسرے مصرعہ میں "سمجھ لیتے تھے" کی بجائے "سمجھتے تھے" یا سمجھتے فصیح تھا۔ مذکورہ شعر خامیوں سے باہر ہے۔ لیکن شانِ سخن سے معرا ہے۔ بہتر اور واضح صورت ملاحظہ ہو۔

زباں زد اُن کی تھی دختر کُشی میں طرزِ سفاکی
کہ بیٹی کو سمجھتے بے خرد بیوی کی ناپاکی

(۸۳) صـ۹۳ـ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

قبائل کے جو ہیں سردار پتلے ہیں رعونت کے
عیاں ہیں ان کے ہر انداز سے انداز نخوت کے

مصرعۂ دوئم میں انداز کا تکرار لغو ہے۔ اصلاح ملاحظ ہو۔

قبائل کے جو ہیں سردار پتلے ہیں رعونت کے
عیاں ہیں ان کے ہر انداز سے آثار نخوت کے

(۸۴) صفحہ ۹۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

پجاری چیختے ہیں ناچتے ہیں گھنٹ بجتے ہیں
پرستش ہے یہی ان کی جسے مذہب سمجھتے ہیں

گھنٹا اور گھنٹی یہ الفاظ اردو میں رائج ہیں۔ مگر گھنٹ غیر معروف ہے۔ جو شاعر کی شوخیٔ طبع کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں بجتے کا قافیہ سمجھتے بالکل غلط ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ شاعر شاعری سے بھی معرا ہے۔ اس شعر کی اصلاح میں ردو بدل کرنا پڑیگا اصلاح ملاحظہ ہو۔

پجاری چیخ کر اور ناچ کر گھنٹے بجاتے ہیں
بتوں کی اسطرح خدمت بجا کفار لاتے ہیں

(۸۵) صفحہ ۹۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ نقشہ دیکھکر سورج نے آنکھیں بند کرلی ہیں
زمیں نے ہر طرف تاریکیاں دامن میں بھر لی ہیں

مصرعۂ دوئم میں ہر طرف' حفیظ کی مخصوص معدنِ ہزلیات کا گراں بہا موتی ہے۔ کیا کرے۔ وزن پورا نہ ہوسکتا تھا۔ نو آموز تو شاید کہہ اٹھیں۔ کہ معترض نے 'ہر طرف' کو خواہ مخواہ حشو اور لغو قرار دیا ہے حالانکہ یہ لفظ اس مصرعہ کی زینت کا باعث ہے۔ مگر گہری نگاہیں پہنچ چکی ہیں کہ یہ لفظ بلا ضرورت اور بیہودہ ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ نقشہ دیکھکر سورج نے آنکھیں بند کرلی ہیں
فضائے ارض نے تاریکیاں دامن میں بھرلی ہیں

(۸۶) صـ ۹۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہزاروں نازنین آنکھیں حیاداری سے خالی ہیں
نقاب افگندہ ہیں ان میں جو طبعاً شرم والی ہیں

مذکورہ شعر قواعد کے رُو سے غلط ہے۔ غلطی دقیق ہے۔ عام فہم نہیں ہے۔ ناظرین غور کریں اور شاعر کی زبان دانی کی داد دیں۔ مصرعۂ اول میں "نازنین آنکھیں" فاعل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دوسرے مصرعہ کے "اُن" کی ضمیر آنکھوں کیطرف راجع ہو۔ پس شاعر کے کلام کے مطابق تمام شعر کی نثر یہ ہے۔ ہزاروں نازنین آنکھیں حیاداری سے خالی ہیں اور جو آنکھیں طبعاً شرم والی ہیں۔ نقاب، افگندہ ہیں۔ یعنی اِن آنکھوں پر نقاب پڑا ہوا ہے۔ بقولِ شاعر نقاب صرف آنکھوں پر ہے۔ باقی حصصِ چہرہ برہنہ ہیں۔ ماتھا برہنہ ہے۔ ابرو برہنہ ہیں۔ رخسار برہنہ ہیں۔ بینی۔ ہونٹ۔ دانت۔ زنخداں برہنہ ہیں۔ یہ عجیب قسم کا پردہ ہے۔ اس پردے سے بے پردگی بدرجہا بہتر ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہزاروں نازنین شرم و حیاداری سے خالی ہیں
نقاب افگندہ ہیں ان میں جو طبعاً شرم والی ہیں

(۸۷) صـ ۹۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ محفل گرم تھی لیکن یہاں اک اور گل پھولا
اٹھا شور اک طرف سے شاعر اپنی داستاں بھولا

گل پھولنا خلافِ محاورہ ہے۔ گل کھلنا محاورہ کے مطابق ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاعر نے پہلے دوسرا مصرعہ موزون کیا ہوگا۔ پھولا کا قافیہ تنگ تھا۔ اس لئے شاعر کا بھی قافیہ تنگ ہوگیا۔ یہ بات بعض مبتدی شعرا کی عادت میں داخل ہوتی ہے۔ کہ نظم کہنے میں پہلے دوسرا مصرعہ نظم کرتے ہیں۔ اور بعد ازاں مطلب کے مطابق پہلا مصرعہ ڈھال لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے اشعار میں دلفریبی اور کشش عنقا کا حکم رکھتی ہے۔

(۸۸) صفحہ ۹۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ کیوں گالی گلوچ اور مار دھاڑ آپس میں ہوتی ہے
یہ عورت کون ہے کیوں پیٹتی ہے اور روتی ہے

گالی گلوچ غلط ہے۔ اس کی بجائے گالی گلوج چاہیئے تھا۔ شاعر نے اس لفظ کو غلط نامہ میں بھی درست نہیں کیا ہے۔ اس لئے میں اسکو خامیوں کے زمرہ میں داخل کر سکتا ہوں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ کیوں گالی گلوج اور مار دھاڑ آپس میں ہوتی ہے
یہ عورت کون ہے کیوں پیٹتی ہے اور روتی ہے

(۸۹) صفحہ ۱۰۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

غلط سمجھے یہ بد ہی مان گوتم کی بشارت کو
بلائے بت پرستی نے کیا برباد بھارت کو

بلائے بت پرستی اچھی ترکیب نہیں ہے۔ شاعر کے خیال میں بت پرستی خونخوار شیر یا اژدہا تھا۔ جس نے بھارت کے نواسیوں کو لقمہ بنا لیا تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

غلط سمجھے یہ بدہی مان گوتم کی بشارت کو
وبائے بت پرستی نے کیا برباد بھارت کو

نمبر (۱۰)

(۹۰) ص۱۰۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔
ہوئی برباد کنفیوشس کی وہ تہذیب آئینی
جہالت سے شکستہ ہوگئیں سب لعبتِ چینی

مصرعہ دوئم میں "سب" تقاضا کرتا ہے۔ کہ اس کا اسم جمع میں ہو مثلاً سب کھلونے۔ سب کھلونے۔ سب لڑکے۔ سب اطفالِ شہر۔ سب ممالکِ عالم وغیرہ۔ سب لعبتِ چینی" غلط ہے۔ "سب لعبت ہائے چینی" چاہیئے تھا۔

(۹۱) ص۱۰۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔
ہوئے نوشیرواں کے جانشیں انصاف کے دشمن
گنہگاری میں ڈوبا خسروِ پرویز کا دامن۔

گنہگاری میں دامن ڈوبنا" خلاف محاورہ ہے وہ گناہوں میں غرق ہے۔ وہ گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ مذکورہ دونو جملے درست ہیں۔ مگر اس کا دامن گناہوں میں غرق ہے۔ غلط ہے۔ گناہوں کی وجہ سے تردامن ہونا مطابق محاورہ اور درست ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہوئے نوشیرواں کے جانشیں انصاف کے دشمن
ہوا ترمعصیت سے خسروِ پرویز کا دامن؛

(۹۲) ص۱۰۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

اٹھی ہے لعنتی تہذیب نو سیلاب کی صورت
ہے جسکے حلقۂ ہر موج میں گرداب کی صورت

مصرعۂ دوئم سرتا پا غلط ہے۔ بے معنی اور لغو ہے۔ اس مصرعہ کی نثر یہ ہوسکتی ہے۔ جسکے حلقۂ ہر موج میں گرداب کی صورت ہے۔ یعنی جس کی ہر ایک موج کے حلقے میں گرداب کی صورت ہے۔ بہ الفاظ دیگر جس کی ہر ایک موج کے حلقے میں گرداب کی تصویر یا فوٹو ہے۔ شاعر کے خیال میں موج کا حلقہ چوکھٹا ہے۔ جسمیں گرداب کا فوٹو لگا ہوا ہے۔ کس قدر لغو اور بیہودہ مصرعہ ہے۔ مذکورہ شعر میں شاعر یہ بیان کرنا چاہتا تھا۔ کہ جس کا حلقۂ ہر موج گرداب کی طرح ہے۔ مگر ادائے مطلب سے قاصر رہا۔ میں اس کے مافی الضمیر کو ذیل کے شعر میں ادا کرتا ہوں۔

اٹھی ہے لعنتی تہذیب نو سیلاب کی صورت
کہ جسکا حلقۂ ہر موج ہے گرداب کی صورت

(۹۳) ص۱۰۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

تلاطم خیز موجیں ہیں گناہوں کے تھپیڑے ہیں
الٰہی خیر ہو ایمان کے کمزور بیڑے ہیں

شاعر کا پہلا مصرعہ مضحکہ انگیز ہے۔ وہ دریا کی دو چیزوں کا ذکر کرتا ہے۔ موجوں کا اور تھپیڑوں کا۔ مگر موجوں کو بغیر استعارہ کے چھوڑ دیتا ہے۔ جب سمندر میں گناہوں کے تھپیڑے زور شور دکھا رہے ہیں۔ تو بروئے فصاحت ضروری ہے۔ کہ موجیں بھی

بدکاری یا سیہ کاری کی ہوں ۔ موجوں کو محض تلاطم خیر کہہ دینا اور یہ ذکر نہ کرنا کہ یہ موجیں کس چیز کی ہیں ۔ عدم قابلیت کی دلیل ہے۔

اصلاح ملاحظہ ہو ۔

سیہ کاری کی موجیں ہیں گناہوں کے تھپیڑے ہیں
الٰہی خیر ہو ایمان کے کمزور بیڑے ہیں

(۹۴) صفحہ ۱۰۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے ۔

میں انسانوں کو اس طوفانِ ذلت سے بچاؤنگا
میں ان سوئے ہوئے شیروں کی غیرت کو جگاؤنگا

مصرعہ دوئم سرتاپا غلط اور بیہودہ ہے ۔ معنوی لحاظ سے لغو ہے۔ شاعر سوئے ہوئے شیروں کی غیرت کو جگاتا ہے ۔ شیر مستِ خواب ہیں ۔ غیرت کو جگانا چاہتا ہے ۔ شاعر کا مطلب تو یہ تھا۔ کہ میں ان شیروں کی سوئی ہوئی غیرت کو جگاؤنگا ۔ مگر جلدی میں کچھ کا کچھ لکھ گیا ۔ شہنامہ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے ۔ کہ اشعار میں غور و تعمق سے کام نہیں لیا گیا۔

اصلاح ملاحظہ ہو ۔

میں انسانوں کو اس طوفانِ ذلت سے بچاؤنگا
میں ان شیروں کی مستِ خواب غیرت کو جگاؤنگا

(۹۵) صفحہ ۱۰۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے ۔

پلا ساقی پلا وہ شعلۂ صہبائے ایمانی
کہ اُڑ جائیں دھواں بن کر وساوسہائے شیطانی

شعلۂ صہبائے ایمانی پینے کی چیز نہیں ہو سکتی ۔ نرالی ترکیب ہے۔

اس مصرعہ کی نثر ملاحظہ ہو۔ اے ساقی۔ مجھے صہبائے ایمان کا وہ شعلہ پلا اور ضرور پلا کہ جس سے شیطانی وسوسے دھواں بن کر اڑ جائیں۔ شعلہ پلانا غلط ہے۔ نیز وسوسہ کی جمع وساوس ہے۔ وساوسہا خود ساختہ جمع الجمع ہے۔ جو غیر معروف ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

پلا ساقی پلا اک ساغرِ صہبائے ایمانی
کہ اڑ جائیں دھواں بنکر مرے اوہامِ شیطانی

(۹۶) صلا پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

پلا مجھکو پلا ساغر اسی صہبائے وحدت کا
کہ جسکی موج سے منہ پھیر دوں ہر فوجِ کثرت کا

مصرعۂ دوئم میں "ہر" مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو

پلا مجھ کو پلا ساغر اسی صہبائے وحدت کا
کہ جس کی موج سے منہ پھیر دوں افواجِ کثرت کا

(۹۷) صلا پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مئے توحیدِ کہنہ کا اٹھا سر بستہ خم ساقی
سنا مردہ دلوں کو پھر وہی آوازِ قم ساقی

مئے توحیدِ کہنہ۔ پرانی توحید کی شراب۔ سبحان اللہ حفیظ نے توحید کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ یعنی نئی توحید اور پرانی توحید۔ شاعر کا مطلب "مئے کہنۂ توحید" سے تھا۔ مگر وہ اس مفہوم کو پیش کرنے کا سلیقہ نہ جانتا تھا۔ کیونکہ وہ بد قسمتی سے اس جماعت تک ہی نہیں پہنچ سکا جہاں سے سکولوں میں فارسی تعلیم کی ابتدا

ہوتی ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

شرابِ کہنۂ توحید کا سربستہ خم ساقی
اٹھا۔ مردہ دلوں کو پھر سنا آوازِ قم ساقی

(۹۸) ص ۱۱۱ پر ذیل کے شعر مرقوم ہیں۔

پہاڑوں پر چڑھا شیطاں زمیں پر اک نظر ڈالی
نظر آئی اسے ہر مملکت ایمان سے خالی
بہت ہی خوش ہوا دل پر تکبر عود کر آیا
ہنسا اور فخر کے کلمے زبانِ نحس پر لایا

مصرعۂ دوئم میں "بہت ہی" کی بجائے "نہایت" بہتر تھا کیونکہ "نہایت" کے استعمال سے "ہی" کی نحوست سے بھی نجات مل جاتی۔ نیز تکبر دل میں عود کرتا ہے۔ غرض یہ مصرعہ زبان دانی کے لحاظ سے معیوب اور مذموم ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

نہایت خوش ہوا۔ دل میں تکبر عود کر آیا
ہنسا اور فخر کے کلمے زبانِ نحس پر لایا

(۹۹) ص ۱۱۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

زمیں سے آسماں تک واقعی گہری سیاہی تھی
کہ جرم ماہ سے شاہی اسی کی تا بماہی تھی

مصرعۂ اول میں "واقعی" واقعی شاعر کی عدم قابلیت کا ثبوت ہے جس صورت میں یہ لفظ "واقعی" مصرعہ کو کچھ زیب نہیں دیتا اور اور نہ ہی اس لفظ کے استعمال کی مجبوری لاحق ہے۔ تو حیران ہوں کہ شاعر نے کس دلیل کی بنا پر اس گوسفند کو گھوڑوں کی صف میں

کر کھڑا کر دیا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

زمیں سے تا فلک گہری سیاہی ہی سیاہی تھی
کہ جرم ماہ سے شاہی اسی کی تا بماہی تھی

نمبر (۱۱)

(۱۰۱) صفحہ ۱۱۴ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

یہاں پر بنت مرّا تخثمیہ اک حسینہ تھی
حسینہ تھی مگر اطوار و عادت میں کمینہ تھی
یہ پہلے سے جمال و حسنِ عبد اللہ پہ مرتی تھی
مگر عرضِ تمنا کر نہیں سکتی تھی ڈرتی تھی
یکا یک ہو گیا اُس پر مسلّط رنگِ شیطانی
رگوں میں بے حیائی بن کے دوڑا جوشِ حیوانی

آخری مصرعہ بے معنی ہے۔ جوش حیوانی رگوں میں بھر سکتا ہے۔ مگر دوڑ نہیں سکتا۔ رگوں میں دوڑنا خون کا کام ہے۔ مرزا غالب کا شعر ملاحظہ ہو۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

اصلاح ملاحظہ ہو۔

یکایک ہو گیا اُس پر مسلط رنگ شیطانی
لگا پھر دوڑنے رگ رگ میں خونِ جوشِ حیوانی

(۱۰۱) صفحہ ۱۱۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

حیا و شرم کے باعث ادھر گردن خمیدہ تھی
ادھر عورت وفورِ جوشِ خوں سے آبدیدہ تھی

مصرعۂ دوئم لغویت اور بیہودگی میں عدیم النظیر ہے۔ وفورِ جوشِ خوں سے آبدیدہ ہونا کہاں کی طبابت ہے۔ اس مصرعہ سے صریحاً پایا جاتا ہے، کہ وفورِ جوشِ خون سے مراد شہوت ہے۔ کوئی اور چیز مراد نہیں ہوسکتی۔ غلبۂ شہوت سے انسان دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اندھا ہو جاتا ہے۔ پریشاں دماغ ہوتا ہے۔ یہ تمام نتائج فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں مشاہدہ اور عادت کے مطابق ہیں مگر غلبۂ شہوت سے رو پڑنا بعید از عقل ہے۔ بنت مرا لخثعمیہ حضرت عبد اللہ کے حسن و جمال کی دلدادہ ہے۔ اس وقت یہ عورت اور حضرت عبد اللہ پاس پاس کھڑے ہیں۔ حضرت عبد اللہ اس کے ارادۂ فاسد سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ آپ نے شرم و حیا کی وجہ سے گردن جھکالی ہے۔ وہ عورت سراپا التجا بن کر سامنے کھڑی ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

حیا و شرم کے باعث ادھر گردن خمیدہ تھی
ادھر شہوت کے غلبہ سے وہ عورت کور دیدہ تھی

بسا اوقات مایوسی اور ناامیدی بھی وجہ گریہ وزاری ہو سکتے ہیں اور یہ امر بھی فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ اس صورت میں اس شعر کی اصلاح یہ ہوگی۔

حیا و شرم کے باعث اُدھر گردن خمیدہ تھی
وفورِ یاس و حرماں سے اِدھر یہ آبدیدہ تھی

(۱۰۲) ص ۱۱۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کہا پھر تیسرے نے ہم پہ راضی حق تعالےٰ ہے
ہماری برگزیدہ قوم سب قوموں پہ بالا ہے

مصرعۂ دوئم میں 'پہ' غلط ہے۔ 'پہ' کی بجائے 'سے' چاہیئے تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

کہا پھر تیسرے نے ہم پہ راضی حق تعالیٰ ہے۔
ہماری برگزیدہ قوم سب قوموں سے بالا ہے

(۱۰۳) ص ۱۲۰ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مرصع تھے یہ گھوڑے جنگ کے ہر ساز و ساماں سے
یہ ساماں بھی مرصع تھا عقیق و لعل و مرجاں سے

دونوں مصرعوں میں مُرصع معیوب اور مذموم ہے۔ دونوں مصرعوں میں یہ لفظ ہم معنی ہے۔ پہلے مصرعہ میں مُرصع کی بجائے مُزین بہتر تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مزین تھے یہ گھوڑے جنگ کے ہر ساز و ساماں سے
یہ سامان بھی مرصع تھا عقیق و لعل و مرجاں تھے

(۱۰۴) ص ۱۲۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

نشانے پر پڑا ناوک ترازو ہوگیا آہو!
تڑپ کر آن یہودی بزدلوں پاس آگرا آہو

پہلے مصرعہ میں محاورہ غلط باندھا گیا ہے۔ تیر کا ترازو ہونا محاورہ ہے

نہ کہ آہو کا۔ غالباً اردو زبان کے وجود میں آنے کے وقت سے آجتک کسی جاہل سے جاہل شاعر نے اس محاورہ کو یوں نہ باندھا ہوگا۔ دوسرے مصرعہ میں یہودی بزدلوں پاس برائی اور متروک ترکیب ہے اس کی بجائے یہودی بزدلوں کے پاس چاہیئے تھا۔ حفیظ کی شاعری بھی شتر مرغ کیطرح ہے۔ جو آدھا حیوان اور آدھا پرندہ ہوتا ہے۔ جدت طرازیوں پر آتا ہے۔ تو بے معنی اور لغو ترکیبوں کے انبار لگا دیتا ہے۔ قدامت پسندی کیطرف رجوع کرتا ہے۔ تو متروک و مدفون الفاظ کے گڑے مردے نکال لاتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

نرازو ہو گیا تیر اور اُس پر تُل گیا آہو!
قریب ان بزدلوں کے نیم بسمل آگرا آہو۔

(۱۰۵) صـ ۱۲۲ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

وہیں ناوک فگن بھی دوسری ساعت میں آپہنچا
اتر کر زین سے نخچیر آہو کے قریب آیا
ارادہ تھا کہ باندھوں ذبح کر کے پشت توسن سے
سراسر بے خبر تھا کید صیاد ان پُر فن سے

حضرت عبداللہ نے آہو کو تیر مارا ہے۔ تیر سے آہو زخمی ہو چکا ہے۔ زخمی آہو اُن یہودیوں کے قریب آگرا ہے۔ جو آپ کے قتل کے ارادے سے چھپے ہوئے ہیں۔ آپ عالم بے خبری میں تشریف لا رہے ہیں۔ آخر آپ آہو کے پاس آگئے ہیں۔ اور ارادہ ہے کہ آہو کو ذبح کر کے گھوڑے کی پیٹھ پر باندھیں۔ شاعر کے تیسرے مصرعہ میں باندھوں۔ صیغہ واحد متکلم میں ہے۔ جو

دلیلِ جہالت ہے۔ صیغۂ واحد متکلم کی بجائے صیغۂ واحد غائب چاہیئے تھا۔ شاعر قواعد دانی اور استعمالِ محاورات میں خصوصاً یدِ طُولےٰ رکھتا ہے۔ باندھوں کسی حالت میں بھی صحیح نہیں ہے۔ باندھوں کی بجائے باندھے چاہیئے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ارادہ تھا کہ باندھے ذبح کرکے پشتِ توسن سے

سراسر بے خبر تھا کیدِ صیادانِ پُرفن سے

مذکورہ شعر کے پہلے مصرعہ میں ایک اور خامی موجود ہے جو نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ وہ خامی یہ ہے۔ کہ شکار گھوڑے کی پیٹھ پر باندھا جاتا ہے۔ گھوڑے کی پیٹھ سے باندھنا غلط اور خلافِ مشاہدہ ہے۔ شاعر سے اس غلطی کا سرزد ہو جانا چنداں دشوار نہیں۔ وہ کیا جانے۔ شکارِ آہو کسے کہتے ہیں۔ اور نخچیرِ آہو کہاں باندھتے ہیں۔ موسمِ سرما ہو۔ باد و باراں نے حشر برپا کر رکھا ہو۔ اولے برس رہے ہوں۔ راہیں ناہموار ہوں۔ لباس ناکافی ہو۔ خوراک کم ہو۔ غرض شدائد و مصائب کا آسمان ٹوٹ پڑا ہو مگر شکاری لوگ سیلاب کی طرح بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اور مشکلات کے خس و خاشاک کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کرتے۔ لیکن حفیظ جیسا نحیف و زار اور مشتِ استخواں مخنّث تو پنجابیوں کی ایک مشہور ضرب المثل کے مطابق ماہِ ستمبر ہی میں لحاف اوڑھ کر سوتا ہوگا۔ ایسے شخص کو شکارِ آہو کی کیفیت کا علم کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۱۰۶) صہ ۱۲۲ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

یہودی گھڑ چڑھوں نے دفعتہً پیدل کو آ گھیرا
نظر تلوار آئی دیدۂ حیراں جدھر پھیرا
مگر یہ شیر تلواروں کے سائے سے نہ گھبرایا
مثالِ برق کوندا۔ پشتِ توسن پر چلا آیا

مذکورہ دونوں اشعار درست ہیں۔ اصولِ سخن کے لحاظ سے بھی اچھے ہیں۔ البتہ تیسرے مصرعہ میں "سائے" کی بجائے بادل مرقوم ہوتا تو مصرعہ کا پایہ ارفع ہو جاتا۔ کیونکہ چوتھے مصرعہ میں "برق" لایا گیا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مگر یہ شیر تلواروں کے بادل سے نہ گھبرایا
مثالِ برق کوندا۔ پشتِ توسن پر چلا آیا

(۱۰۷) صہ ۱۲۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

لئے پہلے تو جھک کر وار اپنی ڈھال پر اُسنے
چرا کر جسم سارا کر لیا زیرِ سپر اُسنے

مصرعۂ اول میں "اپنی" صریحاً بیہودہ اور لغو ہے۔ مصرعۂ دوئم میں "چُرا کر" کی بجائے "بچا کر" موزون تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

لئے آغاز میں تو وار جھک کر ڈھال پر اُسنے
بچا کر جسم سارا کر لیا زیرِ سپر اُسنے

(۱۰۸) صہ ۱۲۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہودی چیخ اُٹھے یہ سانحہ یک دم گزرنے سے
ہوئے اب اور بھی سفاک اک ساتھی کے مرنے سے

پانچ یہودیوں نے حضرت عبداللہ پر حملہ کر دیا ہے۔ تلواروں پر تلواریں

چل رہی ہیں۔ آپ فن سپاہگری کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ یہودی! آپ پر وار پر وار کر رہے ہیں۔ دورانِ مقابلہ میں آپ پھرتی سے گھوڑے کو کاوا دیتے ہیں۔ اور سبک دستی سے نیزہ مارتے ہیں۔ جس سے ایک یہودی فی النار ہو جاتا ہے۔ اندریں حالات یہودی کی ہلاکت کو یک دم کہنا سراسر بیہودگی ہے۔ اور عجزِ کلام کا ثبوت ہے۔ نیز سفاک کی بجائے خونخوار بہتر تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہودی چیخ اُٹھے یہ سانحۂ پرغم گذرنے سے
ہوئے اب اور بھی خونخوار اک ساتھی کے مرنے سے

(۱۰۹) صفحہ ۱۲۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

نظر آیا وہ لڑکا برسرِ پیکار چاروں سے!
بہت ہی تن دہی سے لڑ رہا تھا پختہ کاروں سے

مصرعۂ دوئم حفیظ کی ناپختہ کاری کو ظاہر کر رہا ہے۔ اس لو الفاظ کی سطریں دو خامیاں موجود ہیں۔ یعنی 'ھی' اور 'تن دہی'۔ 'ھی' کی بیہودگی کو نظر انداز بھی کر دیں۔ تن دھی کی لغویت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ جنگ و جدل کے شجاعت طلب مواقع پر تن دھی۔ محنت۔ مشقت وغیرہ جیسے نامناسب الفاظ کو کہاں دخل ہو سکتا ہے۔ بالعموم یہ کہا جاتا ہے۔ زید اپنا سبق تن دھی اور کوشش سے یاد کر رہا ہے۔ بزم کے مخصوص الفاظ بزم تک اور رزم کے مخصوص الفاظ رزم تک محدود ہوتے ہیں۔ جنگ و جدل میں شجاعت۔ پامردی۔ استقلال۔ سرفروشی۔ جانبازی۔ مردانگی وغیرہ کا استعمال مناسب اور موزوں ہے۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

نظر آیا وہ لڑکا برسرِ پیکار چاروں سے
بہت مردانگی سے لڑ رہا تھا پختہ کاروں سے

نمبر (۱۴)

(۱۰) صفحہ ۱۲۸ پر ذیل کے شعر مرقوم ہیں۔

ہوا تیار خونی ہاتھیوں کا اک بڑا لشکر
چلا مکے کی جانب ابرہہ اس فوج کو لیکر
تھا آگے آگے اِک فیلِ سفید اسکی سواری میں
اکڑ کر ابرہہ بیٹھا تھا اِک زریں عماری میں

مذکورہ دونوں اشعار ایک ہی صفحہ پر یکے بعد دیگرے مرقوم ہیں ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ چار مصرعوں میں اک تین دفعہ استعمال کیا گیا ہے۔ جسکی بیہودگی اور لغویت میں شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہوا تیار خونی ہاتھیوں کا اک بڑا لشکر
چلا مکے کی جانب ابرہہ اس فوج کو لیکر
تھا آگے فوج کے فیلِ سفید اسکی سواری میں
اکڑ کر ابرہہ بیٹھا تھا شاہانہ عماری میں

(۱۱) صفحہ ۱۳۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کرے گا فکر اپنے گھر کی جو اس گھر کا مالک ہے
کہ جو اس گھر کا مالک ہے وہ بحر و بر کا مالک ہے

ابرہہ لشکر جرار لیکر کعبہ کے لوٹنے کی غرض سے آیا ہے۔ اُس کے سپاہیوں نے حضرت عبد المطلب کے اونٹ قبضہ میں کر لیے ہیں۔ ابرہہ اور آپ میں بالمشافہ گفتگو ہوتی ہے۔ ابرہہ کہتا ہے۔ تم عجب آدمی ہو۔ کعبہ کی فکر نہیں کرتے۔ مگر اپنے اونٹوں کے مطالبہ کا اصرار کرتے ہو۔ آپ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کعبہ کی فکر خدائے کعبہ کے ذمہ ہے مجھے اس سے کچھ غرض نہیں ہے۔ مذکورہ شعر مندرجہ واقعہ کا تقشہ ہے۔ مصرعۂ اول زبان دانی کے لحاظ سے ناقص اور بیہودہ ہے۔ مطلب کے بخوبی واضح کرنے میں قاصر ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

کریگا آپ گھر کی فکر جو اس گھر کا مالک ہے
کہ جو اس گھر کا مالک ہے وہ بحر و بر کا مالک ہے

شہنامۂ اسلام حصّہ اول کا ظاہری امور میں بانگِ درا سے مشابہ ہونا اور ناظم کا فردوسیٔ اسلام سے ملقب ہونا۔ کسی حد تک ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ بزعم خود اپنی قابلیت کو فردوسی اور اقبال کی مجموعی قابلیت کے ہم مرتبہ سمجھتا ہے۔ مگر میری رائے میں حفیظ کی مثال اُس کوّے کی سی ہے۔ جو دُم میں مور کے پر لگا کر نادم و شرمندہ ہوا تھا۔

چہ نسبت بوزاغ را با عنادل

(۱۱۴۳) ص ۱۳۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ کیا تھا۔ کس لئے۔ کس کیلئے تھا۔ مدعا کیا تھا
یوں ہی تھا یا کوئی مقصد تھا۔ آخر ماجرا کیا تھا

مذکورہ شعر درست ہے۔ خامی بھی نہیں رکھتا۔ مگر دوسرا مصرعہ کچھ تبدیلی سے دلچسپ ہو سکتا ہے۔ یوں ہی کی بجائے عبث بہتر اور فصیح ہے۔ یوں ہی میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ مدعا اور مقصد دونوں الفاظ بروئے فصاحت تقاضا کرتے ہیں۔ کہ یوں ہی کی بجائے عبث استعمال کیا جائے۔ گو یوں ہی سے مراد عبث ہے۔ تاہم عبث بہتر ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ کیا تھا۔ کس لئے۔ کس کیلئے تھا۔ مدعا کیا تھا
عبث تھا۔ یا کوئی مقصد تھا۔ آخر ماجرا کیا تھا

(۱۱۴۴) ص ۱۳۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

وہ جسکے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جسکی یاد میں شاہِ سلیماں نے گدائی کی

شاعر کہتا ہے۔ کہ جملہ انبیا اور مرسلین نور مصطفٰے کی برکات سے مستفیض رہے۔ یہ حقیقت ہے جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کی ذاتِ والا صفات کی کُنہ بھی کنہِ حق تعالیٰ کیطرح عقل و فہم سے برتر ہے۔ آپ کا نور تخلیق موجودات سے ہزار ہا سال پیشتر خداوندِ عالم کی تسبیح و تقدیس میں مصروف تھا۔

آپ کے نور سے موجودات کا ظہور ہوا۔ تمام انبیا اور مرسلین نے اوقاتِ مصائب میں آپ کا وسیلہ ڈھونڈا۔ جو معجزات تمام انبیا اور مرسلین میں انفرادی حالت میں موجود تھے۔ آپ کی ذاتِ پاک میں مجموعی طور پر موجود تھے۔ آپ ازل سے ابد تک اہلِ جہان کے عقدہ کشا ہیں۔ آپ خدا کے فضل سے گذشتہ و حال و مستقبل سے آگاہ ہیں۔ آپ کے دم قدم سے قیام کائنات ہے۔ آپ محبوب حق اور رحمۃ اللعالمین ہیں۔ آپ پیدا نہ ہوتے تو کون و مکان کا نام و نشان نہ ہوتا۔ آپ ہمیں دیکھتے اور ہماری التجائیں سنتے ہیں۔ آپ بہشت اور دوزخ کے بانٹنے والے ہیں۔ غرض آپ مالکِ دوسرائے اور مختارِ ماسوا ہیں۔

کلیاتِ گوشہ نشیں میں سے چند اشعار بغرض حصولِ ثواب یہاں درج کرتا ہوں۔ جو شانِ رسول کو کسی حد تک ظاہر کرتی ہیں:

اے کہ تو محبوبِ حق ہے اور حبیب کبریا
منحصر ہے ذات پر تیری قیامِ دوسرا
تھی نہ جب لوحِ عدم منت کشِ نقشِ وجود
تو حبابِ نور میں تھا محوِ تسبیحِ خدا
تو ازل کے ملک کا ہے حکمرانِ بے عدیل
ہے ابد کی مملکت کا بے بدل فرمانروا
لامکاں کے گلستاں میں وہ گلِ یکتا ہے تو
عندلیب آسا ہے خالق جس پہ سرمست نوا

چرخِ عظمت پر تُو مہرِ ماسوا افروز ہے
دو جہاں کا ہے تری چشمِ کرم پر آسرا
ہو نہیں سکتا قمر سے منفصل نورِ قمر
ذاتِ حق سے ذات تیری ہو نہیں سکتی جدا
ہاتھ تیرا مالکِ کون و مکان کا ہاتھ ہے
ہے زباں تیری زبانِ خالقِ ارض و سما
تُو نے گرداب بلا سے بو البشر کو دی نجات
تھا سفینے کا جنابِ نوح کے تُو ناخدا
مور و ماہی کا ہے تیرے خوانِ نعمت پہ ہجوم
گیت مخلوقات گاتی ہے ترے صبح و مسا
حق کے احسان و کرم سے حاضر و ناظر ہے تو
جملہ موجودات میں موجود ہے تُو برملا
ہست میں لانا عدم کو۔ ہست کو کرنا عدم
ہے اشارہ ایک تجھ سے مالک و مختار کا

حفیظ کا مصرعۂ دوئم خلافِ واقعہ ہے۔ اور بے سر و پا روایت پر مبنی ہے۔ حضرت سلیمان جیسے ذی احتشام پیمبر کو محض انگوٹھی کے گم ہو جانیکی وجہ سے در بدر پھرانا کہاں کی عقل ہے۔ کوئی کچھ لکھے اور کوئی کچھ کہے۔ ذی فہم اور معقول آدمی کا کام غور کرنا ہے۔ اور روایت کو دقیق نگاہوں سے دیکھنا ہے۔ کورانہ تقلید بھیڑوں اور بکریوں کا شیوہ ہے۔ دقیانوسی خیالات اور خلافِ عقل روایات پر یقین کر لینا ناخواندہ آدمیوں کا کام ہے

اصلاح ملاحظہ ہو۔

وہ جس کے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی
سلیماں نے زمیں اور آسمان پر بادشاہی کی

(۵) ۱۱ صفحہ ۱۸۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ندا ہاتف کی گونج اُٹھی زمینوں آسمانوں میں
خموشی دب گئی اللہ اکبر کی آذانوں میں

مصرعہ دوئم بے معنی فضول اور مہمل ہے۔ اللہُ اکبر کی آذانوں میں خاموشی دب گئی۔ خاموشی زیادہ خاموش ہو گئی سُبحان اللہ۔ کیسی بلند پروازی ہے۔ شاعر کا مطلب تو یہ تھا۔ کہ باطل کا شور اللہ اکبر کی آذانوں میں دب گیا۔ مگر توضیح سے قاصر رہا ہے۔ بعض شعراء کو خبط ہوتا ہے۔ کہ شعر کو دقیق کیا جائے۔ خواہ دقت کتنی ہی نامعقول ہی۔ کیوں نہ ہو۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

ندا ہاتف کی گونج اُٹھی زمینوں آسمانوں میں
دبا غلُ کُفر کا اللہ اکبر کی آذانوں میں

مصرعہ دوئم سے شاعر کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ آذانوں میں خموشی دب گئی یعنی آذانوں کا شور اطرافِ عالم میں برپا ہو گیا۔ خاموشی رخصت ہو گئی۔ اس صورت میں لغویت کے لحاظ سے یہ مصرعہ مندرجہ ذیل شعر کا ہمسر رہیگا۔

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا!

(۱۶۱) ص ۱۴۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی

مصرعۂ دوئم میں فخرؔ کا تکرار لغویت کا ثبوت ہے۔ فخر ایسا لفظ نہ تھا۔ جسکا ہم معنی لفظ نہ مل سکتا تھا۔ مگر کاوش اور کاہش سے شاعر کو کیا سروکار۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات۔ نازِ نوعِ انسانی

(۱۷۱) ص ۱۴۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

سلام اے سرِ وحدت۔ اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی۔ زہے تشریف ارزانی

مذکورہ شعر درست ہے۔ خامیوں سے معرا ہے۔ البتہ اے سرِ وحدت کی بجائے اے شمع وحدت ہوتا تو اے سراجِ بزمِ ایمانی۔ کی مناسبت کے لحاظ سے شعر کا مرتبہ ارفع ہو جاتا۔ فصاحت اور بلاغت کے رُو سے بھی بہتر اور دلچسپ ہوتا یہی چند ضائع و بدائع ہیں۔ جو زینتِ فنِ سخن ہیں۔ ورنہ اردو کو نظم میں لانا کون نہیں جانتا۔ دورِ حاضرہ میں ہندوستان کے شعرا برسات کے کیڑے مکوڑوں کی تعداد سے بھی کہیں زیادہ ہونگے۔ اخبارات اور رسائل کے صفحے ان کے اسمائے گرامی سے آلودہ نظر آتے ہیں۔ نظموں کا محشر بپا ہے۔ جدتوں کا سیلابِ عظیم بہ رہا ہے۔ لن ترانیوں کے شور و غل سے کان پھٹے جاتے ہیں۔ مشاعروں کی

گرم بازاری ہے۔ سالانہ جلسوں پر شعرا پلیٹ فارم پر اس طرح دکھائی دیتے ہیں۔ جسطرح خانقاہ پر مٹی کے گھوڑے۔ ان شعرا میں محدود تعداد شاعر کہی جا سکتی ہے۔ بعض شعرا بفضلِ خدا یہ بھی نہیں جانتے کہ شاعر پر شعر کہنے سے پہلے کون کون شرائط اور پابندیاں عائد ہیں۔ کن کن مرحلوں سے گزرنا ہے۔ کیا کیا گھاٹیاں طے کرنا ہے۔ شعر کہنا آسان ہے مگر شاعر کہلانا مشکل ہے۔ شہنامۂ اسلام کے حرف حرف سے یہ حقیقت آشکار ہے۔ کہ حفیظ کو نہ تو زمانۂ حاضرہ میں اور نہ ہی آئندہ زمانہ میں مستند شاعر کہہ سکتے ہیں اصلاح ملاحظہ ہو۔

سلام اے شمعِ وحدت سلے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی

(۱۱۸) صـ ۱۴۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم انساں کو سکھلادے
یہی اعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی

آنحضرت کو مخاطب کر کے شاعر کہتا ہے۔ اے صاحب خلق عظیم انسان کو خلق سکھلادے جو ایک پاکیزہ عمل اور روحانی شغل ہے۔ ناظرین مصرعۂ اول میں خلق صیغۂ واحد میں ہے۔ پس ضروری تھا۔ کہ مصرعۂ دوئم میں 'اعمال' کی بجائے 'عمل' اور 'اشغال' کی بجائے 'شغل' ہونا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم انساں کو سکھلادے
یہی اسلوبِ پاکیزہ یہی معراجِ روحانی

نمبر (۱۳)

اس نمبر میں وہ الفاظ معہ تعداد درج کرتا ہوں۔ جو شاعر نے شہنامہ اسلام میں محض شعر کا وزن پورا کرنیکے لیئے استعمال کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کا استعمال بیہودہ اور لغو ہے۔ بعض بجا طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ اور بعض اس طریقہ میں استعمال کئے گئے ہیں۔ کہ بادی النظر میں موزوں ہیں مگر دراصل موزون نہیں ہیں۔

الفاظ	تعداد
خود، آپ، اپنا، اپنی، آپنے	۱۷۴
غرض، الغرض، گویا، یعنی	۵۵
یہی، یہ	۵۴۲

الفاظ	تعداد
آخر آخرکار بالآخر	۴۶
فوراً فی الفور معاً دفعتہً	۱۸
ہرسو ہرسمت چارسو بہرسو ہرطرف ہرجانب بہرجانب چاروں طرف	۳۶

الفاظ	تعداد
بس، ہی، بھی، اب، آج	۵۱۵
ہر، اک، ایک	۳۰۹
میزان	۱۶۹۵

شہنشاہ اسلام کے اشعار کی تعداد تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) ہو گی۔ مذکورہ بیہودہ الفاظ کی تعداد میرے سرسری اندازہ کے مطابق سولہ سو پچانوے (۱۶۹۵) ہے۔ اگر ان الفاظ کے انتخاب میں زیادہ غور اور احتیاط سے کام لیا جاتا۔ تو ممکن تھا کہ ان کی تعداد بھی تعدادِ اشعار سے ہمسری کا دم بھرتی اور اس صورت میں اجالا اور تاریکی پہلو بہ پہلو رہتے۔ اب ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس شاعر کا کلام ایسا نور بھرا ہو۔ جسکے اشعار میں خامیوں کا نام و نشان نہ مل سکے۔ جسکی زباندانی پر حرف گیری احاطۂ قدرت انسانی سے باہر ہو۔ جسکی قواعدانی نکتہ چینی اور

عیب جوئی سے سراسر پاک ہو۔ جس کا دماغ تخیل کی پختگی میں نظیر نہ رکھتا ہو۔ جسکا قلم اظہارِ مطالب میں لغزش نہ کر سکتا ہو۔ جس کا علم تاریخ مورخین عالم کے لئے سرمایۂ فخر ہو۔ ایسے شاعر کی جس قدر قدر و منزلت کی جائے۔ کم ہے۔

نمبر (۱۴)

(۱۹) صـــــــــ ۱۴۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

تیری صورت تیری سیرت ترا نقشہ تیرا جلوہ
تبسم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی

مصرعۂ دوئم میں آنحضرت کے چار اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ تبسم۔ گفتگو۔ بندہ نوازی۔ خندہ پیشانی۔ اس میں شک نہیں کہ تبسم وصف میں شامل ہے۔ کیونکہ اس سے انسان کی زندہ دلی ٹپکتی ہے۔ بندہ نوازی وصف میں داخل ہے۔ خندہ پیشانی بھی یقیناً وصف ہے۔ مگر محض گفتگو کونسا وصف ہے۔ گفتگو اچھی ہو سکتی ہے۔ بُری ہو سکتی ہے۔ شیریں ہو سکتی ہے۔ ترش ہو سکتی ہے۔ دشنام آمیز ہو سکتی ہے۔ معقول ہو سکتی ہے۔ نامعقول ہو سکتی ہے۔ بامطلب ہو سکتی ہے۔ بے مطلب ہو سکتی ہے۔ پس محض گفتگو وصف میں شامل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اسے کسی صفت کا موصوف قرار نہ دیں۔ اسلئے مصرعہ دوئم میں "گفتگو" غلط ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

تیری صورت تیری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ
تبسم - خوش کلامی - مہربانی - خندہ پیشانی

(۱۲۰) صفحہ ۱۴۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے -

اگرچہ فقرِ فخری رتبہ ہے - تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے - فرِّ کسرائی و خاقانی

مصرعہ اول بھونڈا اور ناگوار ہے - علاوہ ازیں رُتبہ کی "ہ" دب کر پڑھی جاتی ہے - اور فقرِ فخری کی بجائے اَلفقرُ فخری چاہیئے اس مصرعہ سے یہ دونوں نقائص اس طرح دور ہو سکتے تھے -

ہے گو اَلفقرُ فخری مرتبہ تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِّ کسرائی و خاقانی

(۱۲۱) صفحہ ۱۴۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے -

زمانہ منتظر ہے اب تیری شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

مذکورہ شعر کی نثر یوں ہو سکتی ہے - اب زمانہ تیری شیرازہ بندی کا منتظر ہے - کیونکہ اجزائے ہستی کی بہت کچھ پریشانی ہو چکی ہے - زمانہ سے زمانہ مراد لیا جائے - یا اہلِ زمانہ - بہرصورت کسی ایک کے اجزائے ہستی پریشان نہیں ہو سکتے - زمانہ کے اجزائے ہستی پریشان ہو جائیں تو زمانہ معدوم اور فنا ہو جائیگا یہی نتیجہ اہلِ زمانہ کی پریشانی ہستی سے نکلیگا - مذکورہ شعر کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے - کہ اے فخرِ موجودات - اب اسلام

کے ایمان کا شیرازہ پریشان ہوچکا ہے۔ ازرہِ بندہ نوازی ان کی شیرازہ بندی فرمائیے۔ پس درست شعر یہ تھا۔

زمانہ منتظر ہے اب تیری شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہوچکی اجزائے ایماں کی پریشانی

۱۲۲) صفحہ ۱۵۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ سنکر عورتیں بیچاریاں حیران ہوتی تھیں
نگاہیں گرد پھر پھر کر بلا گردان ہوتی تھیں۔

مصرعہ اول کی نثر یہ ہے۔ یہ سنکر بیچاریاں عورتیں حیران ہوتی تھیں۔ قواعد دانی ملاحظہ ہو۔ بیچاریاں عورتیں کی بجائے بیچاری عورتیں چاہیئے تھا۔ درست نثر یوں چاہیئے تھی۔ یہ سنکر بیچاری عورتیں حیران ہوتی تھیں۔ مثلاً چھوٹی لڑکی۔ چھوٹی لڑکیاں۔ بڑی عورت۔ بڑی عورتیں۔ مذکورہ چاروں ترکیبیں درست ہیں۔ مگر چھوٹیاں لڑکیاں۔ بڑیاں عورتیں۔ لغو اور بیہودہ ترکیبیں ہیں۔ مقام حیرت نہیں ہے۔ اگر حیدرآباد دکن سے حفیظ کی خدمتِ مبارک میں جدید قواعد اردو مرتب کرنے کی سرگرم التجا کی جائے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بچاری عورتیں سنکر اسے حیران ہوتی تھیں
نگاہیں گردِ پھر پھر کر بلا گرداں ہوتی تھیں

۱۲۳) صفحہ ۱۵۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کہا شوہر نے۔ اے بی بی۔ یہ اس بچے کی برکت ہے
اسی کا صدقہ ہے ورنہ ہماری کیا لیاقت ہے

آنحضرت کی دایہ حلیمہ کو اس کا شوہر کہتا ہے۔ اے بی بی۔ ہماری آسودہ حالی کی وجہ آنحضرت کا وجودِ ذی جود ہے۔ ورنہ ہم اس قدر فراخیٔ رزق کے اہل نہ تھے۔ مصرعہ دوم بودہ اور کمزور ہونے میں لاثانی ہے۔ نیز اس مصرعہ میں 'لیاقت' کا استعمال مضحکہ انگیز ہے۔
اصلاح ملاحظہ ہو۔

کہا شوہر نے۔ اے بی بی۔ یہ اس بچے کی برکت ہے
اسی کا یہ تصدق ہے اسی کی یہ بدولت ہے

(۱۲۴) صفحہ ۱۵۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

چرائی کیلئے ہر صبح اسکی بکریاں جاتیں
خدا کے فضل سے سب سیر ہو کر پیٹ بھر آتیں

سیر ہو کر پیٹ بھر آتیں چہ خوب 'خواہ سیر ہو آتیں' لکھتا خواہ 'پیٹ بھر آتیں' لکھتا۔ دونوں سے ایک جملہ لکھتا تو درست تھا۔ ایک ہی جملہ میں سیر ہونا اور پیٹ بھرنا لکھ دینا۔ جہالت کی دلیل ہے۔ اگر کوئی حفیظ کے نمونے کا انشا پرداز یہ لکھ دے براہِ کرم مہربانی کر کے مجھے اپنا قلم لکھنے کیلئے دیں۔ آپ کی نوازش ہوگی۔ ناظرین ضرور قہقہہ لگا کر ہنسینگے کہ یہ کیا ہذیان ہے۔

چرائی کیلئے ہر صبح اس کی بکریاں جاتیں
خدا کے فضل سے ساری کی ساری پیٹ بھر آتیں

(۱۲۵) صفحہ ۱۵۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بیاں کرتا حلیمہ کس طرح سے دودھ دیتی تھی
بیاں کرتا انہیں گودی میں کس طرح لیتی تھی

مصرعۂ اول فصاحت و بلاغت اور متانت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ شاعر کا فرض ہے۔ کہ وہ نظم میں ایسے الفاظ استعمال کرے۔ جو بہر صورت شائستہ ہوں۔ کسی پہلو سے بھی ناشائستہ اور نامہذب نہ ہوں۔ مصرعۂ اول کے پڑھنے سے طبیعت کو ناگواری سی محسوس ہوتی ہے۔ اور شاعر کی حالت پر رحم آتا ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ حلیمہ آنحضرت کی دایہ ہے۔ آپ کی رضاعت اسکے سپرد ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ میں بیان کرتا کہ حلیمہ کسطرح سے دُودھ دیتی ہے۔ حلیمہ خود دُودھ نہ دیتی تھی جسطرح گائیں بکریاں دُودھ دیتی ہیں۔ بلکہ آنحضرت کو اپنا دودھ پلاتی تھی۔ شاعر کا مصرعہ صاف اور واضح نہیں ہے۔ ان گستاخانہ کلمات کی ذمہ داری اسکی گردن پر ہے۔ ناقد موردِ الزام نہیں ہو سکتا۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

بیاں کرتا حلیمہ اُن کو کیسے دودھ دیتی تھی
بیاں کرتا انیسہ گود میں کس طرح لیتی تھی

(۲۷) صفحہ ۱۶۱ پہ ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

شرافت ہو جہاں حسنِ ازل کا دائمی گہنا
سکھاتا ہے وہی پاکیزہ رہنا خوش چلن رہنا

مصرعۂ دوئم میں جہاں کا استعمال لغو اور بے معنی ہے۔ قواعد اور زبان دونوں کے لحاظ سے غلط ہے۔ اسکی نثر ملاحظہ ہو۔ جہاں حسن ازل کا دائمی گہنا شرافت ہو۔ وہی شخص پاکیزہ رہنا اور خوش چلن رہنا سکھاتا ہے۔ غلط نہ باندانی کا یہ مثال نمونہ ہے۔

شاعر کے دل میں کچھ ہوتا ہے۔ قلم سے کچھ نکل جاتا ہے۔ درست نہ تریدیں چاہئے تھی۔ جس شخص کے حسن ازل کا دائمی گہنا شرافت ہو۔ وہی پاکیزہ رہنا اور خوش چلن رہنا سکھا سکتا ہے۔ جہان کو جُس کے معنوں میں استعمال کرنا حفیظ ہی کا حصہ ہے۔

(۱۲۷) صہ ۱۷۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بہائم کی صفت چھوڑو ذرا انسان بن جاؤ
بُرے اعمال سے توبہ کرو شرماؤ شرماؤ

پہلا مصرعہ بھونڈا اور ناگوار ہے۔ خصوصًا ذرا کا لفظ لغو اور بے معنی ہے۔ اس مصرعہ میں ذرا کا استعمال بہرحال غلط ہے واقعہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت بلند مقام پر تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو راہ حق کیطرف بلا رہے ہیں۔ ذرا کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ کچھ اور مہربانی کرکے اس مصرعہ میں مذکورہ دونو معنی چسپاں نہیں۔ پس ذرا کا استعمال بے محل۔ بے موقعہ اور بیہودہ ہے اصلاح ملاحظہ ہو۔

بہائم کے خصائل چھوڑ دو۔ انسان بن جاؤ
برے اعمال سے توبہ کرو۔ شرماؤ شرماؤ

نمبر (۱۵)

(۱۲۸) صہ ۱۸۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہمارے باپ دادا دُں کو بھی گمراہ کہتا ہے
عبادت کرتے ہیں ہم تو وہ ہنس کر واد کہتا ہے

کفار کو شکایت ہے۔ کہ آنحضرت ان کی ہر طرح مخالفت کرتے ہیں۔ مذکورہ شعر سلاست۔ روانی اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ ہے۔ اگر شاعر مجھے اجازت دے تو اس شعر کو نھنو مرحوم کاتب لاہوری سے خوش خط لکھوا کر اور مطلا چوکھٹے میں جڑوا کر علمی نمائش گاہ امریکہ میں بطور تحفہ بھیج دوں۔ یقین واثق ہے۔ کہ اراکین نمائش گاہ بنظر قدر دانیٔ فن سخن ایک ایک حرف کے صلہ میں ایک ایک ہزار پونڈ انعام دینگے۔ مصرعۂ اول میں دُاداؤں دادا کی جمع بنائی گئی ہے۔ سبحان اللہ کیا دلپذیر جمع ہے۔ قواعد اس جمع پر جس قدر فخر کرے۔ کم ہے۔ شاعر کا نسیان اور ضعفِ حافظہ قابلِ غور ہے۔ وہ شہنامۂ اسلام کے صفحہ ۳۶۱ پر ذیل کا شعر لکھتا ہے۔ جس میں دادا کی جمع دادوں مرقوم ہے۔ اور قواعد کے لحاظ سے درست ہے۔

وہی خالق ہے دل کا اور دل کے نیک ارادوں کا
وہی مالک ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا

اب دوسرے مصرعہ پر غور کریں جسکی نثر یہ ہے۔ ہم عبادت کرتے ہیں۔ تو وہ ہنس کر واہ کہتا ہے۔ کیسی دلنشیں اور دلفریب انشاء پردازی ہے۔ حرف کیا ہیں مصری کے ٹکڑے ہیں۔ لفظ ہیں کہ گوہر ناسفتہ ہیں۔ مصرعہ کی تعریف حدِ امکان سے خارج ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہمارے باپ دادوں کو بھی وہ گمراہ کہتا ہے
عبادت کرتے ہیں ہم۔ تو معاذ اللہ کہتا ہے

(۱۲۹) صـ ۱۸۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بلایا آپ کو نرمی سے۔ بولے۔ جانِ عم دیکھو
تمہیں لازم ہے۔ ڈالو اس چچا پر بارِ کم۔ دیکھو

حضرت ابوطالب آنحضرت سے ارشاد کر رہے ہیں۔ اے جانِ عم اب تو تمام اکابرِ قریش نے ہماری مخالفت کا تہیہ کر لیا ہے۔ ہمیں اب احتیاط رکھنی چاہیئے۔ مصرعہ دوئم میں اِس چچا قابلِ اعتراض ہے۔ محض چچا چاہیئے تھا۔ اِس چچا۔ اُس چچا۔ وہ چچا وغیرہ خامئی کلام کے ثبوت ہیں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بلایا آپ کو۔ نرمی سے بولے۔ جانِ عم۔ دیکھو
مناسب ہے تمہیں۔ ڈالو چچا پر بار کم۔ دیکھو

(۱۳۰) صـ ۱۸۲ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

چچا کے دامنِ شفقت کو بھی ہٹنا ہوا پایا
تو ہو کر آبدیدہ ہادیٔ برحق نے فرمایا
قسم اللہ کی سارا جہاں بھی ہو اگر دشمن
یہ سب شیطان کے ساتھی بڑھیں ہو کر بشر دشمن

آنحضرت حضرت ابوطالب کے ارشاد کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی قسم۔ اگر سارا جہاں بھی دشمن ہو۔ اور یہ سب شیطان کے ساتھی بشر کی شکلوں میں متشکل ہو کر دشمنی پر تیار ہو جائیں میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرِمو کوتاہی نہیں کروں گا۔ شاعر کا مصرعہ چہارم بے معنی اور لغو ہے۔ ادائے مطلب سے قاصر ہے۔ اسکی نثر یہ ہے۔ یہ سب شیطان کے ساتھی بشر ہو کر دشمن

پڑھیں۔ ناظرین غور کریں کہ یہ کس قسم کی اردو ہے۔ خداوند عالم حفیظ کی عمر عزیز دراز کرے جسکی بدولت ہم ایسے ایسے لآلئے بیش بہا کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے ہیں۔ اور ہوتے رہینگے۔ شہنامۂ اسلام کا دوسرا حصہ عنقریب عالم وجود میں آنیوالا ہے۔ دیکھئے۔ کیا رنگ لاتا ہے۔ اور کیا گل کھلاتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

قسم اللہ کی۔ سارا جہاں بھی ہو اگر دشمن
شیاطینِ جہاں بھی ہوں مرے بن کر بشر دشمن

(۱۳۱) صفحہ ۱۸۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کسی دھمکی۔ کسی ڈر سے مرا دل گھٹ نہیں سکتا
مجھے یہ فرض ادا کرنا ہے، اس سے ہٹ نہیں سکتا

مذکورہ شعر بھی حضرت ابو طالب کے ارشاد کے جواب میں آنحضرت کا ارشاد ہے۔ مصرعۂ اول میں مُرا دل گھٹ نہیں سکتا غلط ہے۔ دل گھٹنا کے معنی غشی طاری ہونا ہے۔ کمزوریٔ دل نہیں ہے۔ مریض کا دل گھٹ گیا۔ یعنی اسپر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی یہ جملہ درست ہے۔ مگر یہ کہنا غلط اور بیہودہ ہے۔ کہ دشمنوں کے ڈرانے دھمکانے سے اسکا دل گھٹ گیا۔ ایسے موقعوں پر یوں کہا جاتا ہے۔ خوفِ اعدا سے میرا دل کمزور نہیں ہوسکتا۔ یا میرے ارادے میں کمی وقوع پذیر نہیں ہوسکتی۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

کسی دھمکی۔ کسی ڈر سے ارادہ گھٹ نہیں سکتا
مجھے یہ فرض ادا کرنا ہے۔ اس سے ہٹ نہیں سکتا

(۱۳۲) صفحہ ۱۹۰ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مشیت تھی کہ اُن کے دم سے تقویت ملے حق کو
مٹے باطل سے شانِ ظاہری۔ شوکت ملے حق کو

مصرعۂ دوئم قابل اعتراض ہے۔ مغلیہ خاندان کی شانِ ظاہری مٹ گئی، یہ جملہ درست ہے۔ مگر یہ کہنا غلط ہے۔ کہ مغلیہ خاندان سے شانِ ظاہری مٹ گئی۔ "سے" کی بجائے "کا" بہتر ہے۔ "سے" کے استعمال سے مصرعہ معیوب ہوجاتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مشیت تھی کہ ان کے دم سے تقویت ملے حق کو
مٹے باطل کی شانِ ظاہری۔ شوکت ملے حق کو

(۱۳۳) صفحہ ۱۹۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

عمر داخل ہوئے اندر تو اُٹھے حضرتِ والا
ہوا ضو ریز سرِ شاخِ طوبیٰ پر قدِ والا

عمر ابن خطاب قتلِ آنحضرت کے ارادے سے آپ کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ آپ بغرضِ مدافعت کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ناظرین دوسرے مصرعہ کو دو بار پڑھیں دس بار پڑھیں۔ مطلب مفقود ہے۔ شاعر نے یہ مصرعہ نظم کرکے خیال کیا ہوگا۔ کہ سخن فہم لوگ اس کو پڑھکر مرحبا صد مرحبا کہہ اُٹھینگے۔ خاقانی اور غالب کی قبروں سے شور تحسین و آفرین بلند ہوگا۔ اہلِ آسمان ورطۂ حیرت میں غرق ہو جائینگے۔ مگر بچارا نہ جانتا تھا۔ کہ یہی مصرعہ اسکی رسوائی اور ذلت کی سند اور بے علمی کا سرٹیفکیٹ ہوگا۔ اسکی نثر یہ ہے۔ پھر قدِ بالا سرِ شاخِ طوبیٰ پر ضو ریز ہوا۔ یعنی پھر اونچا قد طوبےٰ کی شاخ کے بھید پر روشنی گرانے والا ہوا۔

یہ مصرعہ مہمل اور لغو ہونے میں بلا شک وشبہ بے مثال ہے۔ اس مصرعہ کا مطلب حفیظ اور حفیظ کے مدّاحوں تک محدود ہوگا۔ ہم لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

(۱۳۴) صفحہ ۱۹۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ بت جھوٹے ہیں سب اور پوجنا بے سود ہے سب کا
خدا واحد ہے جو خالق ہے اور معبود ہے سب کا

مصرعۂ دوئم میں نہ سلاست ہے۔ اور نہ روانی۔ بھونڈا پن ہی بلند مرتبہ ہے۔ کلام کی افتادگی کا نمایاں ثبوت ہے۔ اس مصرعہ کی یوں اصلاح ہوسکتی تھی۔

یہ بت جھوٹے ہیں سب اور پوجنا بے سود ہے سب کا
خدا ہے واحد و معبود۔ خالق اور بے ہمتا

(۱۳۵) صفحہ ۱۹۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

قریش اب ہو چکے تھے درحقیقت خون کے پیاسے
یہ باطل محو کرنا چاہتا تھا حق کو دنیا سے

درحقیقت۔ دراصل۔ واقعی۔ بلاشک وغیرہ کیسے کیسے بیہودہ الفاظ ہیں۔ فنِ سخن ایسی فضول ہستیوں کی نوازش سے غنی اور بے نیاز ہے۔ یہ باطل۔ وہ باطل وغیرہ بھی لغویت اور بیہودگی میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ شہنامۂ اسلام کو یقیناً ایسے خرمن سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ جو دانہ ہائے گندم۔ دانہ ہائے جو۔ کنکر۔ بھوسہ اور مٹی پر شامل ہو۔ کیا اچھا ہوتا۔ اگر خرمن کو بیچنے کیلئے بازار میں لانے سے پہلے گندم کو فضول چیزوں سے پاک اور صاف کرلیا جاتا۔ موجودہ صورت میں بائع اور مشتری

دونو افسوس ناک حالت میں ہیں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

قریش اب ہو چکے تھے اہلِ دیں کے خون کے پیاسے
تمنا تھی یہ باطل کی. مٹائے حق کو دنیا سے

نمبر (۱۶)

(۱۳۶) صـ۲۰۲ـ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

تمہارا دین کیا ہے۔ کیا وہ دنیا سے نرالا ہے
جسے تم یہ سمجھتے ہو کہ سب دینوں سے بالا ہے

چند مسلمان کفارِ مکہ کے جور و ستم سے تنگ آکر حبشں کی طرف ہجرت کر گئے ہیں۔ کفارِ مکہ کا ایک وفد نجاشی کے دربار میں جا کر مطالبہ کرتا ہے۔ کہ ہجرت کنندگاں انکے حوالے کر دیئے جائیں۔ نجاشی مسلمانوں سے پوچھتا ہے۔ کہ تم کس نئے دین کے معتقد ہو۔ مصرعۂ دوئم کی ترکیب اور بندش مکروہ اور ناگوار ہے۔ خصوصاً "یہ" نے تمام مصرعہ کو برباد کر دیا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

تمہارا دین کیا ہے۔ کیا وہ دنیا سے نرالا ہے
جسے تم نے سمجھ رکھا ہے۔ سب دینوں سے بالا ہے

(۱۳۷) صـ۲۰۷ـ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

وہ دامن جو یتیموں کو پناہیں دینے والا ہے
جو اندھوں کو بصیرت کی نگاہیں دینے والا ہے

اندھوں کو بصیرت کی نگاہیں دینا عجیب منطق اور فلسفہ ہے۔ آنکھوں والے آدمی بصیرت کے محتاج ہو سکتے ہیں۔ مگر اندھے بصارت کے

محتاج ہوا کرتے ہیں۔ اگر اہل جہاں کو معرفت خدا کے لحاظ سے بالعموم اندھا کہا جائے تو بصیرت کی بجائے بصارت چاہیئے تھا۔ مذکورہ شعر انحضرت کی تعریف میں ہے۔ جو اہل جہاں کے راہنما ہیں۔
اصلاح ملاحظہ ہو۔

وہ دامن جو یتیموں کو پناہیں دینے والا ہے
جو اندھوں کو بصارت کی نگاہیں دینے والا ہے

اور اگر شاعر پسند نہ کرے کہ بصیرت کو تبدیل کیا جائے۔ تو پھر یہ اصلاح موزون ہوگی۔

وہ دامن جو یتیموں کو پناہیں دینے والا ہے
جو انسان کو بصیرت کی نگاہیں دینے والا ہے

(۱۳۸) صـ۲۰۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

عمر کا ہاتھ اکثر قبضۂ شمشیر پر رکھنا
نبی کے حکم پر سر تکیۂ تقدیر پر رکھنا

ایک شعر میں پر کا تین دفعہ آنا حفیظ کے کانوں کو مکروہ محسوس نہ ہوتا ہوگا۔ مگر سخن شناس حضرات اسے ضرور ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھینگے۔ شاعر قابل معافی صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ وہ کسی خاص لفظ کے استعمال پر مجبور ہو۔ لیکن حفیظ کے جہان اشعار کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ کیا وہ یوں شعر موزون کر کے ذلت سے محفوظ نہ ہو سکتا تھا۔

عمر کا ہاتھ اکثر قبضۂ تقدیر پر رکھنا
بفرمان نبی سر تکیۂ تقدیر پر رکھنا

(۱۳۹) صـ۲۱۳ پر یہ اشعار مرقوم ہیں۔

کہا اک دوسرے نے واہ وہ بھی ہے خدا کوئی
پیمبر ہی نہیں ملتا جسے تیرے سوا کوئی
ظرافت کی ادائے طنز سے اک تیسرا بولا
نہایت بانکپن سے یعنی افعی نے دہن کھولا

اہل طائف آنحضرت کی ذاتِ پاک پر ہنسی اڑا رہے ہیں۔ اور ان کی نصائح کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔ مصرعۂ چہارم لغو ہے۔ افعی کا کام زہر اگلنا ہے۔ نہ کہ بانکپن سے دہن کھولنا۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی صورتِ ظاہری خوبصورت ہوتی ہے۔ مگر اس کے منہ کھولنے سے نہ خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے۔ اور نہ بانکپن۔ یہ شاعر کی بیہودہ جدت ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ظرافت کی ادائے طنز سے اک تیسرا بولا
نکالا زہر منہ سے یعنی افعی نے دہن کھولا

(۱۴۰) صـ۲۱۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

حضور اس جور سے جب چور ہو کر بیٹھ جاتے تھے
شقی اس وقت بازو تھام کر اوپر اٹھاتے تھے

مصرعۂ دوئم نہایت ردی اور ناقص ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب آنحضرت کفار کے تشدد سے تھک کر بیٹھ جاتے تھے۔ تو وہ انہیں بازو سے پکڑ کر پھر اوپر اٹھا لیتے اور گوناگون آزار پہنچاتے تھے۔ اب ناظرین توجہ فرمادیں۔ جب استاد جماعت میں قدم رکھتا ہے۔ تو طلبا تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کفار آنحضرت کی ہنسی

اڑاتے تھے۔ آپ کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ مذکورہ دونو جملے صحیح ہیں۔ جب استاد جماعت میں قدم رکھتا ہے۔ تو اس وقت طلبا تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کفار آنحضرت کی ہنسی اڑاتے تھے۔ تو اس وقت آپ کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ مذکورہ دونو ں جملوں میں اس وقت بیہودہ اور لغو ہے۔ نیز بازو تھامنا امداد کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کفار آنحضرت کو جتنے الامکان تکالیف پہنچا رہے ہیں۔ پس مصرعۂ دوئم میں دو خامیاں موجود ہیں۔ یعنی اُس وقت اور تھام کر۔ قیاس غالب ہے کہ حفیظ کو اس مصرعہ کے صلہ میں ملک الشعراء کا معزز خطاب ملنے کو ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

حضور اس جور سے جب چور ہو کر بیٹھ جاتے تھے
شفق بازو سے ان کو کھینچکر اوپر اٹھاتے تھے

(الم ا) صفحہ ۲۲۰ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

وطن میں جا کے سب نے دینِ بیضا کی منادی کی
کہ لوگو جاگ اٹھی قسمت ہماری خشک وادی کی
وہ پیغمبر کہ جسکا منتظر سارا زمانہ تھا
وہ پیغمبر نوشتوں کے مطابق جسکو آنا تھا
اسی کو دیکھ کر آئے ہیں ہم مکے کی بستی میں
خدا کا نام لیتا ہے۔ جہانِ بت پرستی میں

مصرعۂ پنجم صحیح ہے۔ خامیوں سے مبرا ہے مگر اسی کی بجائے اُسے ہوتا۔ تو بہتر تھا۔ اسی نے مصرعہ کو بھدا کر دیا ہے۔ شاعر اس مصرعہ

کو آسانی اور سہولت سے یوں لکھ سکتا تھا۔

اسے خود دیکھ کر آئے ہیں ملے مکے کی بستی میں
خدا کا نام لیتا ہے جہانِ بت پرستی میں

(۱۴۲) صـ۲۲۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ادھر مکے میں دنیا تنگ تھی ایمانداروں پر
کہ روندے جا رہے تھے پھول کے سے جسم خاروں پر

مصرعہ دوئم ظاہر کرتا ہے۔ کہ شاعر کو محاوروں کے درست استعمال میں خاص قدرت اور مہارت حاصل ہے۔ پھول کے سے جسم خاروں پر روندے جا رہے ہیں۔ خاروں پر روندے جانا۔ خلاف محاورہ ہے۔ خاروں پر گھسیٹے جانا محاورہ کے مطابق ہے۔ جسکے معنی اذیت پانا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ادھر مکے میں دنیا تنگ تھی ایمان داروں پر
کہ گھسیٹے جا رہے تھے پھول کے سے جسم خاروں پر

(۱۴۳) صـ۲۲۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

دلوں میں خوش ہوئے ظالم کہ اب حسرت ہوئی پوری
محمد اور اُسکے ساتھیوں میں ہو گئی دُوری

حسرت پورا ہونا درست ہے۔ محاورہ کے مطابق بھی ہے۔ مگر حسرت پورا ہونا کی بجائے حسرت نکلنا۔ فصیح و بلیغ ہے۔ یہاں حسرت کی بجائے تمنا لکھدیتا۔ تو بہتر تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

دلوں میں خوش ہوئے ظالم۔ تمنا ہوگئی پوری
محمدؐ اور اسکے ساتھیوں میں ہوگئی دوری

۱۴) ص۲۲۳ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

مسلماں جا چکے ارضِ حبش میں اور یثرب میں
یہ اچھا وقت ہے سب ٹل گئے وقتِ مناسب میں
ابوبکر و علی باقی ہیں لیکن دو کی ہستی کیا
بہادر ہی سہی۔ ہم پر کرینگے پیش دستی کیا
جو چند افراد ہیں کچھ اور۔ وہ کمزور ہیں سارے
کہ اب بھی چھپتے پھرتے ہیں ہمارے خوف کے مارے
یہ اچھا وقت ہے اب قتل کر ڈالو محمدؐ کو
مٹا دو آج تنہائی میں اس نورِ مجرد کو

[مـ]شرکینِ مکہ باہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کے یثرب اور [حب]ش کی طرف ہجرت کر جانے پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ پانچواں مصرعہ [قا]بلِ غور ہے۔ جو چند افراد ہیں کچھ اور۔ وہ کمزور ہیں سارے۔ [اس] مصرعہ کی نثر ملاحظہ ہو۔ جو چند کچھ اور افراد ہیں وہ سارے کمزور ہیں۔ [ایک] ہی جملہ میں "چند" اور "کچھ" لانا حفیظ ہی کا حصہ ہے۔ جسے نہ [ا]ہلِ زباندانی سے کچھ علاقہ ہے۔ اور نہ قواعد سے کچھ تعلق۔ جو منہ [میں] آیا بے تامل کہہ دیا۔ سننے والوں نے شورِ مرحبا سے اہلِ آسمان [کے] کان بہرے کر دیئے۔ کسی ایک نے بھی اتنا سوچنے کی زحمت [گ]وارا نہ کی کہ شاعر کیا لغویات کہہ گیا ہے۔ "چند" کے بھی وہی [مع]نی ہیں۔ جو "کچھ" کے ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے۔ کہ "چند" اور "کچھ" ایک

ہی جملے میں استعمال ہو سکیں۔ اہلِ زبان کو چاہیئے کہ حفیظ کے
سامنے زانوئے ادب تہ کریں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

جو چند افراد کے ہیں ہیں وہ کمزور ہیں سارے
کہ اب بھی چھپتے پھرتے ہیں ہمارے خوف کے مارے

اب ناظرین آخری شعر کو پڑھیں۔

یہ اچھا وقت ہے اب قتل کر ڈالو محمدؐ کو
مٹا دو آج تنہائی میں اس نورِ مجرد کو

پہلا مصرعہ صحیح ہے۔ مگر زباندانی کے لحاظ سے کوئی خوبی نہیں رکھتا۔
نیز ناظرین کو معلوم ہوگا۔ کہ مذکورہ چاروں اشعار مشرکین مکہ کی
باہمی گفتگو کا مرقع ہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ مشرکین مکہ آنحضرت
کو نورِ مجرد کہہ سکیں۔ وہ تو آپ کو دیوانہ۔ ساحر وغیرہ کہا کرتے
تھے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ موقعہ ہے۔ اٹھو اور قتل کر ڈالو محمدؐ کو
مٹا دو آج تنہائی میں اس کبر و تمرد کو

(۱۴۵) صفحہ ۲۲۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

نبی کا جسم عبرت کا نظارا ہو کے رہ جائے
مجسم نورِ وحدت پارا پارا ہو کے رہ جائے

مشرکین مکہ آپس میں مشورہ کر رہے ہیں۔ کہ آنحضرت کو قتل کر دیا
جائے۔ مذکورہ شعر میں نبی اور مجسم نورِ وحدت دونوں القاب
اس شعر میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ یہ کفار کی گفتگو ہے۔ جو آنحضرت کو
نبی اور مجسم نورِ وحدت نہیں کہہ سکتے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بدن احمد کا عبرت کا نظارہ ہو کے رہ جائے
تنِ بدخواہِ عزّت پارا پارا ہو کے رہ جائے

نمبر (۱۷)

(۱۴۶) صہ ۲۲۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

غرض طے پاگئی آخر یہی تجویز شیطانی
قسم کھا کھا کے لوگوں نے نبی کے قتل کی ٹھانی

مصرعۂ اول کی نثر ملاحظہ ہو۔ غرض آخر یہی تجویز شیطانی طے پاگئی غرض اور آخر کا ایک ہی مصرعہ میں استعمال کرنا کس قدر جہالت کی دلیل ہے۔ غرض اور آخر ہم معنی الفاظ ہیں۔ اِن کا اجتماع خلاف فصاحت ہی نہیں۔ بلکہ سراسر غلط ہے۔ اگر خامیوں کو صنعتِ سخن قرار دیا جائے۔ تو فردوسیِ اسلام کے مقابلہ میں فردوسیِ ایران ایک لحظہ کیلئے نہیں ٹھہر سکتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو

غرض طے پاگئی اُن میں یہی تجویزِ شیطانی
قسم کھا کے لوگوں نے نبی کے قتل کی ٹھانی

(۱۴۷) صہ ۲۲۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ چادر اوڑھ لو۔ سو جاؤ۔ آکر میرے بستر پہ
محافظ ہے وہی رکھو بھروسہ شانِ داور پہ

آنحضرت حضرت علی سے ارشاد فرمار ہے ہیں۔ یہ میری چادر اوڑھ لو اور میرے بستر پر سو جاؤ۔ خداوند عالم تمہاری حفاظت کریگا۔ مصرعۂ دوئم میں شانِ داور کا استعمال لغو اور بیہودہ ہے

خداوند عالم کو خالق۔ رازق۔ قادر۔ حکیم۔ سمیع۔ بصیر۔ ثنائی۔ رحیم۔ رحمان وغیرہ کہا جاتا ہے۔ ہر ایک لفظ استعمال کے لحاظ سے اپنا اپنا محل اور موقعہ رکھتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ چادر اوڑھ لو۔ سو جاؤ آکر میرے بستر پر
محافظ ہے وہی رکھو بھروسہ ربِ اکبر پر

(۱۴۸) صـ ۲۲۷ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

ارادہ کر لیا جب سرورِ عالم نے چلنے کا
تو دیکھا راستہ مسدود ہے گھر سے نکلنے کا
درازوں میں سے جھانکا ہر طرف اندھیرا تھا
مگر پہرے کھڑے تھے گھر کو جلادوں نے گھیرا تھا

دوسرا شعر قابلِ غور ہے۔ حفیظ کی قابلیت کا بے بدل ثبوت ہے۔ فارسی دانی کا بے مثل نمونہ ہے۔ شاعر کو خلاق الالفاظ کہنا بجا ہے۔ ناظرین جانتے ہیں۔ کہ درازوں کی بجائے درزوں چاہیئے تھا۔ دراز میز کا ہوتا ہے۔ درز دروازے کی ہوتی ہے۔ مثلاً میز کے دراز میں کتاب رکھ دو۔ دروازے کی درز یا شگاف میں سے ہوا آ رہی ہے۔ جو شاعر دراز اور درز میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اسے شاعر کہنا کہاں تک بجا ہے۔ شعرا سے بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ مگر ان کی لغزشوں اور حفیظ کی غلطیوں میں بُعد المشرقین ہے۔ میں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں۔ کہ حفیظ کی بعض غلطیاں یقیناً ایسی فاش ہیں کہ ان کو پڑھکر چھٹی ساتویں جماعت کا معمولی طالب علم بھی حیران رہ جاتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

شگاف در سے جھانکا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا تھا
مگر پہرے کھڑے تھے گھر کو جلادوں نے گھیرا تھا

یوں بھی اصلاح ہو سکتی تھی۔

جو درزوں میں سے جھانکا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا تھا
مگر پہرے کھڑے تھے گھر کو جلادوں نے گھیرا تھا

(۱۴۹) صـ۲۲۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کھنچی ہی رہ گئیں خوں ریز و خوں آشام شمشیریں
کسی نے کھینچ دی ہوں جسطرح کاغذ کی تصویریں

کفارِ مکہ نے آنحضرت کے دولت کدہ کو محصور کر رکھا ہے۔ آنحضرت حضرت علی کو اپنے بستر پر سلاکر غارِ ثور کو تشریف لیگئے ہیں۔ کفار داخلِ دولت سرا ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہاں آنحضرت کو نہ پاکر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ مذکورہ شعر کفار کی پریشانی اور حیرانی کی ترجمانی کرتا ہے۔ مصرعۂ دوئم یقیناً دفترِ لغویت اور طومار بیہودگی ہے۔ بے مطلب اور بے معنی ہے۔ نثر ملاحظہ ہو۔ کسی نے جس طرح کاغذ کی تصویریں کھینچ دی ہوں۔ یعنی کفار کاغذ کی تصویروں کی طرح تھے بہ الفاظِ دیگر کفار کاغذ کی بنی ہوئی تصویریں تھے۔ شاعر کا مطلب تو یہ تھا کہ کفار یہ حالت دیکھکر تصویرِ حیرت بن گئے۔ مطلب کو ادا نہیں کرسکا۔ صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے مصرعہ بامعنی ہو سکتا تھا اور معترض مجالِ اعتراض نہ رکھ سکتا۔ مگر شاعر کا دماغ یہاں تک رسائی نہیں رکھتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

کھنچی ہی رہ گئیں خون ریز و خون آشام شمشیریں
کسی نے کھینچ دی ہوں جس طرح کاغذ پہ تصویریں

سلطان محمود غزنوی کے تین درباری شعرا کا ایک مقام پر بیٹھکر سرگرم قیل و قال ہونا۔ وہاں فردوسی کا آنکلنا۔ ان شعرا کا فردوسی کی تضحیک پر تیار ہو جانا۔ تین مصرعے فی البدیہ کہکر چوتھے مصرعے کے لئے فردوسی کو تکلیف دینا۔ فردوسی کا ایسا برجستہ مصرعہ کہنا کہ ان کا ورطۂ حیرت میں ڈوب جانا۔ اور آخرکار فردوسی کا دربار میں بازیاب ہونا۔ یہ تمام واقعہ عام اور زبان زدِ خلائق ہے۔ نیز فیضی کا اکبر کے دربار میں باریاب ہونا بہت مشہور واقعہ ہے۔ اس لئے مقام تعجب نہ ہوگا۔ اگر حفیظ بھی مذکورہ مصرعہ کی عدیم المثال صنعت کی وجہ سے کسی شہریار کے درباری شعرا میں افسر الشعرا کا معزز لقب حاصل کرلے۔

ذوق مرحوم کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔ جسکی تعریف احاطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

جب مرزا غالب نے مذکورہ شعر سُنا تو بار بار پڑھا اور

فرمایا۔ سبحان اللہ کس قدر پاکیزہ اور لطیف خیال ہے۔ مجھے یقین ہے۔ اگر مرزا غالب کی روح حفیظ کے مندرجہ بالا شعر کی زیارت سے مشرف ہو تو اسکی نظروں سے ذوق کا شعر ضرور گر جائے۔

(۱۵۱) صـ ۲۳ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

افق کے غرفۂ مشرق سے جب خورشید نے جھانکا
نظر آیا تماشا قاتلوں کی چشمِ حیراں کا
گروہِ اشقیا کو سرنگوں ہوتا ہُوا پایا
علی کو سایۂ شمشیر میں سوتا ہُوا پایا
سحر کا نور خندہ زن تھا باطل کی لیاقت پر
بہت جز بز تھا انبوہِ قریش اپنی حماقت پر

تیسرے شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ نورِ سحر نے کفار کی تدابیر پر ہنسی اڑائی اور وہ کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔
یعنی دن چڑھا اور کفار کو معلوم ہو گیا۔ کہ آنحضرت جان بچا کر کہیں چلے گئے ہیں۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ میں لیاقت اور دوسرے مصرعہ میں جزبز شاعر کی بے علمی کا ثبوت ہیں۔ حد درجہ مذموم اور قبیح ہیں۔ ادائے مطلب میں قاصر ہیں۔ لیاقت کا استعمال غلط ہے۔ جزبز ثقیل اور غیر فصیح ہے۔ ایسے الفاظ شاعری کے خوشنما ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہیں۔ شاعر کا فرض ہے۔ کہ اشعار میں وہ الفاظ استعمال کرے جو فصیح اور آسان ہوں۔
اصلاح ملاحظہ ہو۔

سحر کا نور خندہ زن تھا باطل کی خجالت پر
پشیماں اور حیران تھے قریش اپنی حماقت پر

(۱۵۲) ص ۲۳۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

باہم لڑنے لگے اک دوسرے کی داڑھیاں نوچیں
محمد کو پکڑ لینے کی ترکیبیں نئی سوچیں

جب کفار مکہ کو معلوم ہوا۔ کہ آنحضرت مکہ سے جان بچا کر کہیں چلے گئے ہیں۔ نادم ہوئے اور آپس میں لڑنا بھڑنا شروع کر دیا۔ مصرعہ دوئم حفیظ کا قول ہے۔ کفار کی گفتگو نہیں ہے۔ اسلئے فصاحت و بلاغت کے رو سے تہذیب و اخلاق کے لحاظ سے اور ایمان و اعتقاد کے تقاضا سے ضروری تھا۔ کہ محض محمدؐ نہ لکھا جاتا۔ شاعر ادب اور عزت ملحوظ رکھتا۔ کم از کم پیمبر ہی لکھ دیتا تو مستلزم خطا نہ ہوتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

باہم لڑنے لگے اک دوسرے کی داڑھیاں نوچیں
پیمبر کو پکڑ لینے کی ترکیبیں نئی سوچیں

یہی غلطی اور گستاخی شاعر نے پھر ص ۲۳۸ پر کی ہے۔ شعر ملاحظہ ہو

شرف پایا جو اس نطقِ خدا سے ہم کلامی کا
تہیہ کر لیا سب نے محمد کی غلامی کا

مذکورہ شعر کا مصرعہ دوئم قواعد کے لحاظ سے بھی غلط اور بیہودہ ہے۔ جب پہلے مصرعہ میں اُس نطقِ خدا استعمال ہو چکا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں محمدؐ نہیں آسکتا۔ محمدؐ کی بجائے اُس چاہیئے تھا جب اس نطقِ خدا سے ہم کلامی کا شرف پایا تو سب نے محمدؐ کی غلامی

کا تہیہ کر لیا۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نطقِ خدا اور محمدؐ
دو جدا ہستیاں ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ مثلاً جب رسول اللہ نے
امام حسین کو اپنی پشتِ مبارک پر سوار کیا تو آپ نے محمد مصطفےٰ
کی زلفیں ہاتھوں سے تھام لیں۔ اس جملے میں محمد مصطفےٰ کی بجائے
اُن چاہیئے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

شرف پایا جو اس نطقِ خدا سے ہم کلامی کا
تہیہ کر لیا ہر ایک نے اُس کی غلامی کا

(۱۵۳) ص ۲۳۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

لگے کچھ جمع ہو کر شہر ہی میں ہاؤ ہو کرنے
بہت سارے مُسلّح ہو کے نکلے جستجو کرنے

مصرعۂ دوئم میں بہت سارے ناپسندیدہ ترکیب ہے۔ اصلاح
ملاحظہ ہو۔

لگے کچھ جمع ہو کر شہر ہی میں ہاؤ ہو کرنے
بہت ان میں مسلّح ہو کے نکلے جستجو کرنے

نمبر (۱۸)

(۱۵۴) ص ۲۳۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

تعاقب میں کئی مشرک دہانِ غار تک پہنچے
کئی بار اس مقامِ سیدِ ابرار تک پہنچے

مصرعۂ دوئم میں اس مقامِ سیدِ ابرار مرغوب ترکیب نہیں ہے۔
اصلاح ملاحظہ ہو۔

تعاقب میں کئی مشرک وہاں غار تک پہنچے
کئی بار آستانِ احمدِ مختار تک پہنچے

(۱۵۵) صفحہ ۲۳۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

سراقہ ابنِ مالک کو ہوس نے آج اُکسایا
چڑھا گھوڑے کے اوپر اور نبی کو ڈھونڈنے آیا

مذکورہ شعر درست ہے۔ خامیوں سے پاک ہے۔ لیکن مصرعۂ دوئم میں گھوڑے کے اوپر کی بجائے گھوڑے پر ہوتا تو بہتر تھا۔
اصلاح ملاحظہ ہو۔

سراقہ ابنِ مالک کو ہوس نے آج اُکسایا
چڑھا گھوڑے پہ اور خیرالبشر کو ڈھونڈنے آیا

(۱۵۶) صفحہ ۲۳۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

پکارا یا محمد بخش دیجئے گا خطا میری
میں گمراہی میں تھا۔ بیشک بدی تھی راہنما میری

مصرعۂ اول میں "محمد" اور "بخش" کے متصل لکھ دینے سے محمد بخش پڑھا جاتا ہے۔ محمد بخش عام لوگوں کے نام ہیں۔ ایسی ترکیب سے پرہیز کرنا بہتر تھا۔ مصرعۂ دوئم میں "بیشک" لغو اور بیہودہ ہے۔ شاعر کو بلاشبہ بیشک سے خاص لگاؤ ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

پکارا یا محمد عفو کر دیجئے خطا میری
تھا گمراہی میں آوارہ۔ بدی تھی راہنما میری

(۱۵۷) صفحہ ۲۳۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

شرف پایا جو اس نطقِ خدا سے ہم کلامی کا
تہیہ کر لیا سب نے محمدؐ کی غلامی کا

اس شعر کی اصلاح اور وجۂ اصلاح پیشتر ازیں لکھ چکا ہوں یہاں بھی اصلاح لکھ دیتا ہوں۔

شرف پایا جو اس نطقِ خدا سے ہم کلامی کا
تہیہ کر لیا ہر ایک نے اُس کی غلامی کا

(۱۵۸) ص ۱۴۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہیں پر سب مہاجر پہلے سے موجود تھے سارے
اکٹھے ہو گئے اس چاند کے چوگرد سب تارے

مصرعۂ اول کو پڑھ کر خاکسار بے اختیار چاہتا ہے۔ کہ حفیظ کی شمع علم پر پروانۂ دل کو قربان کر دے۔ خداداد قابلیت کا کیسا ظاہر و باہر ثبوت ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

اگر خداوندِ عالم اپنے لطف و کرم سے حفیظ جیسے دو چار اور نازک خیال شعرا پنجاب میں پیدا کر دے۔ تو آفتابِ سخن کے سامنے آفتابِ فلک کا چہرہ زرد پڑ جائے۔ شعرائے عرب و عجم ندامت اور خجالت سے اپنے اپنے قلم توڑ دیں۔ پہلوانِ طوس کی روح سرِ میدان لنگوٹا پھاڑ دے۔

سبحان اللہ۔ مصرعہ ہے کہ گوہرِ شاہوار ہے۔ جی چاہتا ہے۔ کہ اس کو آنکھوں پر رکھوں۔ سر پر رکھوں اور سینے سے لگائے رکھوں۔ ذرا نثر کی زیارت سے شرف اندوز ہو جیئے۔ یہیں پر سب سارے

مہاجر پہلے سے موجود تھے، پُر بے ضرورت ہے۔ یہیں کافی تھا سب سارے۔ جہالت اور بے علمی کی بین دلیل ہے۔ سب اور سارے ہم معنی الفاظ ہیں۔ ایک ہی جملہ میں دونوں کا اجتماع محال ہے۔ کوئی زبان اور کوئی قواعد اس ہزل کی اجازت نہیں دے سکتی۔ سمجھ نہیں آتی کہ شاعر نے شہنامۂ اسلام دماغ کی کس حالت میں نظم کیا ہے۔ قدم قدم پر مستانہ لغزشیں کھاتا ہے۔ پاؤں لڑکھڑاتے ہیں۔ گرتا ہے سنبھلتا ہے اور اٹھتا ہے۔ مگر پھر بھی سیدھا چل نہیں سکتا۔ کیا کرے بے اختیار ہے۔ اس کا فرض تھا کہ شہنامۂ اسلام کے لکھنے سے پہلے دماغ کو علم سے منجلی کر لیتا۔ یا کم از کم اس کتاب کے اشعار کو بار بار پڑھکر انہیں غلاظت سے پاک کر لیتا ......

میرا دعوےٰ ہے کہ تمام دنیا میں حفیظ پہلا شاعر ہے۔ جس نے شاعری کے دلفریب چہرے کو مسخ کر دیا ہے۔ میں یہ اپنا دعوےٰ ادیبوں کی عدالت عالیہ میں دائر کرکے انصاف کا طالب ہوں اردو دیکھو تو دفتر ہزلیات۔ قواعد دیکھو تو گنجینۂ ہفوات۔ شاعری دیکھو تو خزانۂ عیوب و نقائص مصرعۂ دوئم میں سُب لغو اور بیہودہ ہے۔ سُب کی بجائے یہ چاہیئے تھا۔ المختصر یہ شعر نور کا ٹکڑا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مہاجر پیشتر ہی اس جگہ موجود تھے سارے
اکٹھے ہو گئے اس چاند کے چو گرد یہ تارے

مذکورہ شعر میں اس چاند سے مراد رسولِ پاک ہیں۔

(۱۵۹) صـــ ۱۴۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہوئے حاضر تو پا سوجے ہوئے تھے خون جاری تھا
نبی کا دیدۂ ہمدرد محوِ اشکباری تھا

جب مکہ سے آنحضرت نے ہجرت فرمائی تھی۔ آپ حضرت علی کو حکم دے آئے تھے۔ کہ کفار کی امانتیں کفار کو واپس کر کے مجھے آملو۔ چنانچہ حضرت علی حسب الارشاد شدائدِ مسافرت برداشت کرتے ہوئے خدمتِ رسول میں حاضر ہوئے ہیں۔ مصرعۂ اول میں پا قباحت اور بیہودگی میں عدیم المثال ہے۔ اس کی ناموزونیت کو سخن فہم حضرات بخوبی سمجھتے ہیں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہوئے حاضر تو زخمی پاؤں تھے اور خون جاری تھا
نبی کا دیدۂ ہمدرد محوِ اشکباری تھا

(۱۶۰) صـــــ ۲۴۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

اساسِ دینِ محکم تھی نبی کی خاطرِ عالی
قبا میں سب سے پہلے ایک مسجد کی بنا ڈالی

مصرعۂ اول مہمل اور لغو ہے۔ بے معنی ہونے میں مثال نہیں رکھتا۔ اساسِ دینِ محکم نبی کی خاطرِ عالی تھی۔ پختہ دین کی بنیاد نبی کا بلند دل تھا۔ نبی کا دل عمارتِ اسلام کی بنیاد تھا۔ یہ تھا ظاہری عبارت کا مفہوم۔ مگر مصرعۂ دوئم سے اس مطلب کا سرِ مو تعلق نہیں ہے۔ قرائن سے پایا جاتا ہے۔ کہ شاعر کا مافی الضمیر یہ ہوگا آنحضرت کی خواہش تھی۔ کہ اب کہیں اسلام کی بنیاد رکھ دیجائے چنانچہ آپ نے قبا میں مسجد بنوا دی۔

(۱۶۱) صـــــ ۲۴۲ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

ہوا چاروں طرف اقصائے یثرب میں پکار آئی
بہار آئی - بہار آئی - بہار آئی - بہار آئی
جوان و پیر و مرد و زن سراپا چشم بیٹھے تھے
بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم بیٹھے تھے
اب استقبال کو دوڑے بنی نجار سج سج کر
بڑھے انصار بن کر اوبچی ہتھیار سج سج کر

کون سخن شناس کہہ سکتا ہے - کہ پانچویں مصرعہ میں اَب ضرورت سے مجبور ہو کر لکھا گیا ہے - محض بھرتی کا لفظ ہے - آنحضرت مدینہ میں داخل ہونے کو ہیں - باشندگانِ مدینہ خوشی سے جامہ میں پھولے نہیں سماتے ہیں - اصلاح ملاحظہ ہو -

پئے تسلیم دوڑ اُٹھے بنی نجار سج سج کر
بڑھے انصار بن کر اوبچی ہتھیار سج سج کر

(۱۶۲) صد ۲۴۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے -

مسلمانوں کے بچے بچیاں مسرور تھے سارے
گلی کوچے خدا کی حمد سے معمور تھے سارے

مذکورہ شعر صحیح ہے - خامیوں سے خالی ہے - مگر مصرعۂ دوئم کی بہتر صورت یہ تھی -

مسلمانوں کے بچے بچیاں مسرور تھے سارے
گلی کوچے نوائے حمد سے معمور تھے سارے

(۱۶۳) صد ۲۵۱ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں -

یہ سمجھا تھا کہ میں بن جاونگا حاکم مدینے کا
مگر اب کچھ نہ تھا۔ بس یہ سبب تھا اسکے کینے کا
مسلمانوں سے اب لڑنے کے منصوبے لگا کرنے
یہ سنکر آپ سمجھایا اسے آکر پیمبر نے

عبداللہ بن اُبیؓ ایک منافق تھا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ آنحضرت کا اقتدار مدینہ میں قائم ہو سکے۔ وہ آنحضرت کے وقار اور رسوخ کو کم کرنیکے وسائل اور اسباب سوچتا رہتا تھا۔ جب اسنے دیکھا کہ آنحضرت کے گرد اہلِ مدینہ پروانہ وار طواف کر رہے ہیں۔ اور وہ بے اختیار ہو چکا ہے۔ تو اسنے اہلِ مدینہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ آنحضرت اہلِ مدینہ کو نصیحت اور فہمائش کر رہے ہیں۔ مذکورہ چاروں مصرعے مذموم ترین شاعری کا نمونہ ہیں ایک لفظ بھی دلچسپ اور دلفریب نہیں ہے۔ ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے قابل ہیں۔ چاروں مصرعوں کی اصلاح ملاحظہ ہو

سمجھتا تھا کہ میں بن جاؤنگا حاکم مدینے کا!
پر اب ناکام تھا۔ بس یہ سبب تھا اسکے کینے کا
مسلمانوں سے لڑنے کے وہ منصوبے لگا کرنے
یہ سنکر اُن کو فہمائش نصیحت کی پیمبر نے

ناظرین نے دیکھ لیا ہوگا۔ کہ پہلے مصرعہ میں "یہ" بلا ضرورت تھا دوسرے مصرعہ میں "کچھ نہ" ناکارہ لفظ تھا۔ تیسرے میں "اب" بلا ضرورت تھا۔ چوتھا مصرعہ ہر صورت میں ردی اور فضول تھا۔ نیز چوتھے مصرعہ میں "اُسے" غلط ہے۔ اُسے کی بجائے "اُنہیں" یا

اُن کو چاہیئے تھا۔ وجہ یہ ہے۔ کہ مذکورہ دو اشعار کے عین نیچے مندرجہ ذیل اشعار ہیں جن سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت کا روئے سخن اہل مدینہ کی طرف ہے۔ آپ کا مخاطب عبداللہ بن اُبیّ یا کوئی اور شخص واحد نہیں ہے۔

کہا اے بیوقوفو۔ کیا اجڑنا چاہتے ہو تم
کہ اپنے بھائی بندوں ہی سے لڑنا چاہتے ہو تم
تمہارے بھائی بیٹے سب کے سب پکے مسلمان ہیں
اگر اُنسے لڑو گے خود تمہارے ہی یہ نقصان ہیں

مذکورہ اشعار کی اصلاح ذیل کے نمبر میں ملاحظہ کریں +

نمبر (۱۹)

(۴۸ | ۱۶) صفحہ ۲۵۱ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں

کہا۔ اے بیوقوفو۔ کیا اجڑنا چاہتے ہو تم
کہ اپنے بھائی بندوں ہی سے لڑنا چاہتے ہو تم
تمہارے بھائی بیٹے سب کے سب پکے مسلمان ہیں
اگر اُنسے لڑو گے خود تمہارے ہی یہ نقصان ہیں

دوسرا شعر نہایت رَدّی اور ناقص ہے۔ خصوصاً دوسرا مصرعہ اس قابل ہے۔ کہ شاعر کے دماغ کو تازندگی عبورِ دریائے شور کی سزا دی جائے تاکہ پھر کبھی نکتہ سنجانِ روزگار کی ایذا کا موجب نہ ہو۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

تمہارے خانداں کا ہر بشر پکا مسلماں ہے
اگر اس سے لڑو گے۔ خود تمہارا اس میں نقصاں ہے

(۱۶۵) صـ ۲۵۱ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

مدینے میں یہودی بھی بڑی کثرت سے رہتے تھے
جو اپنی قوم کو پیغمبروں کی قوم کہتے تھے
یقیں رکھتے تھے یہ تورات کی پیشنگوئی پر
کہ اسمٰعیل کی اولاد میں ہوگا وہ پیغمبر

آخری مصرعہ میں "اسمٰعیل کی اولاد میں" کی بجائے "اسمٰعیل کی اولاد سے" چاہئے تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یقیں رکھتے تھے یہ تورات کی پیشنگوئی پر
کہ اسمٰعیل کی اولاد سے ہوگا وہ پیغمبر

(۱۶۶) صـ ۲۵۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے

غرض یہ لوگ بھی اندر ہی اندر سخت دشمن تھے
دغا باز اور محسن کش تھے مکار اور پر فن تھے

مصرعہ اول میں "اندر ہی اندر" نرالی ترکیب اور عجیب اردو ہے۔ عروس زبان اس ترکیب کی نزاکت پر ہزار جان سے فدا ہے۔ مذکورہ شعر میں یہودیوں کی کینہ توزی اور عداوت کا تذکرہ ہے۔ جو وہ آنحضرت سے رکھتے تھے۔ شاعر معمولی مضمون کو بھی نظم میں نہیں لا سکتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

غرض یہ لوگ بھی دل میں نبی کے سخت دشمن تھے
دغا باز اور محسن کش تھے مکار اور پُر فن تھے

(۱۶۷) صـ ۲۵۲ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

یہ انصارِ رسول اللہ خوش تھے فقر و فاقے میں
زراعت میں لگے رہتے تھے یثرب کے علاقے میں
ہدایت پا کے اپنی خوبیٔ قسمت پہ نازاں تھے
خدا کے فضل یعنی آیۂ رحمت پہ نازاں تھے

تیسرے مصرعہ میں "اپنی" بلا ضرورت ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہدایت پا کے وہ اِس خوبیٔ قسمت پہ نازاں تھے
خدا کے فضل یعنی آیۂ رحمت پہ نازاں تھے

سخن فہم حضرات جانتے ہیں۔ کہ مذکورہ مصرعہ میں "اِس" نے مصرعہ کا مرتبہ کس قدر ارفع کر دیا ہے۔ اور "اپنی" کی لعنت سے بھی محفوظ کر دیا ہے۔

(۱۶۸) صہ ۲۵۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

حسد کی ہر طرف جب عام بیماری لگی بڑھنے
مسلمانوں کو پھر جینے کی دشواری لگی بڑھنے

مصرعۂ اول مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ کہ حفیظ کے دماغ کو دارالشفائے جرمنی میں علاج کیلئے بھیج دینا چاہیئے۔ جو اتنی بھی تمیز اور سمجھ نہیں رکھتا کہ ہر طرف اور عام ایک جملے میں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ مثلاً شہر میں ہر طرف ہیضے کا زور ہے۔ شہر میں عام ہیضے کا زور ہے۔ مذکورہ دونو جملے صحیح ہیں۔ مگر یہ کہنا غلط ہے۔ کہ شہر میں ہر طرف عام ہیضے کا زور ہے۔ ناظرین کے انصاف سے سوال کرتا ہوں کہ آیا وہ شاعر فردوسیٔ اسلام کہلانے کا حق رکھتا ہے۔ جو غرض اور آخر۔ ہر طرف اور عام۔ سب اور سارے۔ سیر ہو کر کھانا اور پیٹ بھرنا وغیرہ ہم معنی الفاظ کو ایک ہی جملے میں استعمال کرے۔

حسد کی ہر طرف جس وقت بیماری لگی بڑھنے
مسلمانوں کو پھر جینے کی دشواری لگی بڑھنے

(۱۶۹) صفحہ ۲۵۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہوئی تنگ اس قدر آخر مسلمانوں کی عافیت
کہ اندر شہر کے بھی رہ نہ سکتے تھے بخیریت

مصرعہ اول میں "کی" کی بجائے "پہ" چاہیئے تھا۔ آخر مسلمانوں کی عافیت اس قدر تنگ ہوئی۔ مذکورہ جملہ غلط ہے۔ درست یوں ہے۔ آخر مسلمانوں پر عافیت اس قدر تنگ ہوئی۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہوئی تنگ اس قدر آخر مسلمانوں پہ عافیت
کہ اندر شہر کے بھی رہ نہ سکتے تھے بخیریت

(۱۷۰) صفحہ ۲۵۴ پر ذیل کے شعر مرقوم ہیں۔

نکلتے تھے تو گھر جاتے تھے۔ قزاقوں کے ہتھوں میں
بچارے دن دہاڑے قتل ہو جاتے تھے رستوں میں
خدا کا نام لینا اک نرالا رنگ لایا تھا
نبی صابر تھے فرمانِ جہاد اب تک نہ آیا تھا

مذکورہ اشعار اہلِ اسلام کی کمزوری اور مظلومیت کی تصویر ہیں۔ دونو شعر درست ہیں۔ خامیوں سے بھی پاک ہیں۔ مگر مصرعہ چہارم کی بجائے ذیل کا مصرعہ بہتر ہے۔

خدا کا نام لینا اک نرالا رنگ لایا تھا
نبی مجبور تھے۔ حکمِ جہاد اب تک نہ آیا تھا

(۱۷۱) صفحہ ۲۵۷ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

مسلمانوں کو لکھکر بھیج دی بوجہل نے دھمکی
کہ پہلے ہی سے اب تم فکر کر لو اپنے ماتم کی
محمد کو بڑا ہی صاحبِ اعجاز سمجھے ہو
یہاں سے بچ نکلنے کو خدائی راز سمجھے ہو
تمہیں یہ ناز ہوگا آبسے ہیں اب مدینے میں
سمجھتے ہو گے اب آزاد ہیں ہم مرنے جینے میں
ذرا دم لو کوئی ساعت ٹھہر جاؤ ہم آتے ہیں
تمہارا نام ہی اس لوحِ ہستی سے مٹاتے ہیں

آخری مصرعہ میں "ہی" کی بجائے "تک" بہتر تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ذرا دم لو کوئی ساعت ٹھہر جاؤ ہم آتے ہیں
تمہارا نام "تک" اس لوحِ ہستی سے مٹاتے ہیں

(۱۷۲) صـ ۲۵۸ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

ابوسفیاں کے دل میں بھی ہزاروں وہم آتے تھے
خیالی وسوسے ہی بھوت بن بن کر ڈراتے تھے
خیال آیا مسلماں نیک و بد پہچان جاتے ہیں
محمد آدمی کے دل کی باتیں جان جاتے ہیں

ابوسفیان عداوتِ رسول میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔ وہ آنحضرت کے قتل کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ اس کا دل گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھے یا آپ کا نام حرمت سے لے۔ اس لئے مصرعۂ چہارم غلط ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

خیال آیا کہ مسلم نیک و بد پہچان جاتا ہے
محمد آدمی کے دل کی باتیں جان جاتا ہے

(۱۷۳) صنہ ۲۶۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

فغاں کرتا ہے۔ چیخیں مارتا ہے۔ روتا جاتا ہے
پیاپے سینہ کوباں ہو کے بیکل ہوتا جاتا ہے

ایک مشرک برہنہ حالت میں ایک اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہے۔ پشتِ شتر پر کاٹھی کو الٹا کر رکھا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے مظالم اور مشرکوں کی مظلومیت کی وعظ کر کے مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف اُگسا رہا ہے۔ گذشتہ ایام جہالت میں فریاد کا یہ بھی ایک طریقہ تھا۔ مصرعۂ دوئم کی بہتر صورت یہ تھی۔

فغاں کرتا ہے۔ چیخیں مارتا ہے، روتا جاتا ہے۔
پیاپے سینہ کوبی سے وہ بے کل ہوتا جاتا ہے

نمبر (۲۰)

(۱۷۴) صنہ ۲۶۱ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

صدا دیتا ہے۔ اے لوگو مری فریاد کو پہنچو!
تمہارا مال و زر لٹنے کو ہے امداد کو پہنچو۔
محمدؐ بدلہ لینا چاہتے ہیں برملا تم سے
سمجھتے ہیں کہ جھیلے ہیں بہت جور و جفا تم سے

وہی شتر سوار مشرک جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ بہ آوازِ بلند فریاد کر رہا ہے۔ ایسے شقیٔ ازلی سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی زبان

نجس سے آنحضرت کا ذکر عزت و حرمت سے کرے۔ بعید از عقل ہے۔ اسلئے دوسرا شعر غلط ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

محمد بدلہ لینا چاہتا ہے بر ملا تم سے
سمجھتا ہے کہ جھیلے ہیں بہت جور و جفا تم سے

(۱۷۵) صفحہ ۲۶۲ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

وہ ہرکارا تو لوٹا صورتِ شیطان بہکا کر
لگے ہیں گھونٹنے یہ سانپ پیچ و تاب کھا کھا کر
بھرے بیٹھے تھے پہلے سے بہانہ اور ہاتھ آیا
اٹھا بوجہل اک تقریر کی لوگوں کو بہکایا
کہا۔ اے بیوقوفو۔ سوچتے کیا ہو۔ کمر باندھو
اٹھاؤ نیزہ و خنجر۔ اٹھو تیغ و سپر باندھو
مسلمانوں کو مکے سے نکل جانے دیا تم نے
وہ موقع خوب تھا افسوس ٹل جانے دیا تم نے
محمد کو یہیں پر ختم کر دو۔ میں نہ کہتا تھا
رگِ ہستی ہیں اُن کا خون بھر دو۔ میں نہ کہتا تھا

چوتھے مصرعہ میں "اک" لغو اور بیہودہ ہے۔ "ابوجہل اٹھا۔ اک تقریر کی۔ لوگوں کو بھڑکایا۔" مذکورہ جملہ میں "اک" کا لفظ نہایت بدنما ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بھرے بیٹھے تھے پہلے سے بہانہ اور ہاتھ آیا
اُٹھا بوجہل۔ کی تقریر اور لوگوں کو بہکایا

آخری شعر کا پہلا مصرعہ زباں دانی کے لحاظ سے ردّی ہے۔ اور

دوسرا مصرعہ بے معنی ہے۔ یہ شعر ایسی سلکِ مروارید ہے۔ کہ اسکی قیمت ادا کرنے کے لئے گنجِ قارون بھی غیر مکتفی ہوتا۔ اسکا ایک ایک لفظ کوہِ نور سے کہیں گراں بہا ہے۔ محمد کو یہیں پر ختم کردو۔ کس قدر فضول اور بیہودہ جملہ ہے۔ عمارت کی تعمیر شروع ہوتی ہے۔ پھر ختم کردی جاتی ہے۔ کتاب کا مطالعہ شروع کیا جاتا ہے۔ پھر ختم کردیا جاتا ہے۔ انسان کو عمارت یا کتاب خیال کرلینا بے علمی کی دلیل ہے۔ اگر یہ کہنا درست ہو کہ زید کو یہیں پر ختم کردو۔ تو یہ کہنا بھی صحیح ہوگا۔ کہ زید کو یہیں سے شروع کردو۔ عجب جہالت اور حماقت ہے۔ اب دوسرا مصرعہ ملاحظہ ہو۔ ان کا خون رگِ ہستی میں بھر دو۔ کسی کے خون کو رگِ ہستی میں بھر دینا۔ مہمل اور بے معنی کلام ہے اس مصرعہ میں دوسری حماقت یہ ہے۔ کہ آنحضرت کے متعلق "اُن" استعمال کیا گیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ "اُن" کی بجائے "اُس" چاہیئے کیونکہ یہ جملہ کفار کا قول ہے۔ غرض جس پہلو سے بھی اس شعر کو دیکھا جائے مہملات کا سرچشمہ ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

محمد کو بعجلت قتل کردو میں نہ کہتا تھا
رگِ مقتل میں اس کا خون بھر دو۔ میں نہ کہتا تھا

صفحہ ۲۶۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔ (۱۷۶)

نضر، بو بختری، حرث ابنِ عامر تھے یہ سب افسر
ابوجہل اور عقبہ اور شیبہ تھے یہ سر لشکر

دونوں مصرعوں میں "یہ" کے تکرار کو اس طرح بہ آسانی دور کیا جا سکتا تھا۔

نضر۔ بو بختری۔ حرث ابنِ عامر تھے یہ سب افسر
ابوجہل اور عقبہ اور شیبہ تھے سرِ لشکر

(۱۶۷) صـ۲۶۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

زمینِ دشت کی چھاتی سے آہوں کا غبار اُٹھا
فلک بھی کانپ کر اَلعَظمتُ لِلّٰہ پکار اُٹھا

مصرعۂ اول میں "زمینِ دشت کی چھاتی" عجیب استعارہ ہے۔ فصاحت و بلاغت کا سمندر لہریں مار رہا ہے۔ مصرعۂ دوئم کے مضمون کو پیشِ نظر رکھکر مندرجہ ذیل اصلاح مناسب اور موزون معلوم ہوتی ہے۔

یہاں تک دشت کی چھاتی سے آہونکا غبار اٹھا
فلک بھی کانپ کر اَلعَظمتُ لِلّٰہ پکار اٹھا

(۱۶۸) صـ۲۶۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

سمجھ لی بات ہم نے قوم ساری مشتعل کر دی
لگا دی آگ رگ رگ میں۔ تمنا جنگ کی بھر دی

ابوجہل ابوسفیان کے قاصد کو اس کے پیغام کے جواب میں کہہ رہا ہے۔ ہم تمہارے ہرکارے کی مصنوعی فریاد کا مطلب سمجھ گئے ہیں، تمہارا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ تمام قوم مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو چکی ہے۔ مذکورہ شعر صحیح ہے۔ کوئی خامی بھی نہیں رکھتا ہے۔ البتہ مصرعۂ دوئم میں "تمنا" کی بجائے "حرارت" ہوتا تو "آگ" کے لفظ کی مناسبت کے خیال سے مصرعہ کا مرتبہ ارفع ہو جاتا۔ نثر اور نظم میں یہی غوامض حدِ فاصل ہیں۔ جن سے حفیظ کا

دماغ محروم ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

سمجھ لی بات ہم نے۔ قوم ساری مشتعل کر دی
لگا دی آگ رگ رگ میں۔ حرارت جنگ کی بھر دی

(۱۷۹) صفحہ ۲۶۷ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

شرابیں۔ ناچ۔ گانا۔ کھانا۔ پینا ساتھ لائے ہیں
بھلا لگتا ہے۔ جن چیزوں سے جینا ساتھ لائے ہیں
بہت سی گانے والی عورتیں ہمراہِ لشکر ہیں
انہی کے حسن سے معمور یہ خرگاہِ لشکر ہیں

مصرعۂ چہارم میں "یہ" کیسی صریح اور واضح بیہودگی اور لغویت کا ثبوت دیتا ہے۔ نہ اس لفظ کی ضرورت ہے۔ اور نہ اسکے استعمال کی مجبوری۔ البتہ حفیظ جیسے شاعر کے لئے ہر ایک بھرتی کا لفظ نعمتِ آسمانی ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بہت سی گانے والی عورتیں ہمراہِ لشکر ہیں
چراغِ حسن جنکے زینتِ خرگاہِ لشکر ہیں

(۱۸۰) صفحہ ۱۷۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہمیں کیوں ساتھ لے جاتا ہے دنیا سے اجڑنے کو
خدا اور اس کا موسٰے ہی بہت کافی ہیں لڑنے کو

جب حضرت موسٰے نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ کفار کے مقابلہ کیلئے کمربستہ ہو جاؤ تو انہوں نے جواب میں کہا ہم آرام چھوڑ کر بے آرام ہونا نہیں چاہتے۔ اگر جنگ کی مجبوری لاحق ہے۔ تو خدا اور موسٰے دونوں ملکر کفار سے جنگ کریں۔ مصرعۂ دوم میں خدا اور اس کا موسٰے

نرالی ترکیب ہے۔ شاعر خدا اور موسیٰ لکھتا یا خدا اور اس کا پیمبر لکھتا تو محل طعن نہ تھا۔ خدا اور اس کا موسیٰ لغو ترکیب ہے۔ سخن فہم حضرات یقیناً اس ترکیب سے متنفر ہونگے۔ نیز اس مصرعہ میں "بہت" بلا ضرورت ہے۔ محض بھرتی کا لفظ ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو

ہمیں کیوں ساتھ لے جاتا ہے دنیا سے اجڑنے کو
خدا اور موسیٰ ان سے کیا نہیں کافی ہیں لڑنے کو

(۱۸۱) صـــ۲۷۲ــ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

معاذ اللہ مثیل امتِ موسیٰ نہیں ہیں ہم
جہاں میں پیروانِ دینِ ختم المرسلیں ہیں ہم

مہاجرین آنحضرت سے عرض کرتے ہیں۔ کہ ہم امتِ موسیٰ کی طرح لڑائی سے پہلو تہی کرنے والے نہیں ہیں۔ ہم آپ کے ارشاد پر آتشِ ہیجا میں کود پڑنے کو ہمہ تن تیار ہیں۔ مصرعۂ دوئم میں "جہاں میں" لغو اور بیہودہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ جہالت کا ثبوت ہے۔ اس مصرعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہم اس جہان میں آنحضرت کے دین کے پیرو ہیں۔ لیکن دوسرے جہان میں اس پیروی سے آزاد ہونگے۔ نعوذُ باللہ ایسی لغزشیں جو عقائد مسلمہ میں رخنہ انداز ہوں بے علمی کی دلیل ہوا کرتی ہیں۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

معاذ اللہ مثیل امتِ موسیٰ نہیں ہیں ہم
کہ دل سے پیروانِ دینِ ختم المرسلیں ہیں ہم

(۱۸۲) صـــ۲۷۶ــ پر ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

زرہ پہنے ہوئے جب لشکرِ نورِ سحر نکلا
شہِ خاور اٹھا بہرِ مدد سینۂ سپہر نکلا
فضائے دہر سے اب اٹھ چلی شب کی عملداری
خدا دینے لگا باطل کو پاداشِ سیہ کاری

تیسرے مصرعہ میں اب اُٹھ چلی کی بجائے اُٹھنے لگی چاہیئے تھا۔ اس اصلاح سے اُب کی نحوست بھی دور ہوگئی۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

فضائے دہر سے اُٹھنے لگی شب کی عملداری
خدا دینے لگا باطل کو پاداشِ سیہ کاری

(۱۸۳) صـــــ ۲۷۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

خودی نے بھر دیئے تھے کبر کے طوفان ہر سر میں
ڈبونے جا رہے تھے کشتیٔ حق آبِ خنجر میں

مثلاً خودی نے زید کے سر میں غرور کا سودا بھر دیا۔ خودی نے زید کے سر میں غرور کی دیوانگی بھر دی۔ سر میں غرور کا سودا یا دیوانگی یا جنون بھر جانا سب درست ہیں لیکن سر میں غرور کا طوفان بھر جانا غیر معروف ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

خودی نے بھر دیا تھا کبر کا سودا ہر اک سر میں
ڈبونے جا رہے تھے کشتیٔ حق آبِ خنجر میں

(۱۸۴) صـــــ ۲۷۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

علَم کفار کا لہرا گیا وادی کے دامن پر
اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا اس روزِ روشن پر

شاعر کے دماغ پر خدا رحم کرے جو اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ یہ۔ اِس۔

بس۔ بھی وغیرہ الفاظ بھی جائز اور مخصوص محل استعمال رکھتے ہیں خواہ مخواہ بلاضرورت ان کا استعمال دلیلِ جہالت ہے۔ مصرعۂ دوئم میں اس بلاضرورت ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

علم کفار کا لہراگیا وادی کے دامن پر
اندھیرا ہی اندھیرا تھا مسلط روزِ روشن پر

(۱۸۵) صفحہ ۲۷۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

زمیں کے جسم پر ہر خیمہ اک پُرسوز چھالا تھا
کہ میخوں ہی سے جس نے بدر کا دل چھید ڈالا تھا

مصرعۂ دوئم میں 'ہی' لغویت اور بیہودگی میں ارفع درجہ رکھتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

زمیں کے جسم پر ہر خیمہ اک پرسوز چھالا تھا
کہ جس نے بدر کا میخوں سے سینہ چھید ڈالا تھا

اَلحمدُللہ۔ شہنامۂ اسلام حصہ اول کی خامیاں ختم ہوئیں۔ آئندہ نمبر سے نغمۂ زار کی خامیاں شروع ہوتی ہیں۔

نغمۂ زار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں اسکے بعض اشعار عیوب سے معرّا ہیں۔ وہاں بعض لغویت میں عدیم النظیر ہیں۔ یہ کتاب بھی قدم قدم پر اصلاح کی محتاج ہے۔ اسکی نمایاں خصوصیت سرقہ ہے۔ جو متعدد اشعار میں صراحت سے پایا جاتا ہے۔ غرض یہ نظم بھی شہنامہ اسلام حصۂ اول کیطرح زبان کے حق میں مضر ہے۔

نمبر ۱

(۱) صـ۳۹ پر ذیل کے شعر مرقوم ہیں۔

خامہ انوار فشاں مدحِ شہنشاہ میں ہے
برقِ ایمن کا اثر ایک پرِ کاہ میں ہے
طور مشعل لئے ہر ہر قدم اس راہ میں ہے
کبھی خورشید میں ہے فکر۔ کبھی ماہ میں ہے

مذکورہ اشعار آنحضرت کی حمد و ثنا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مصرعۂ سوئم میں "ہر ہر قدم" کی بجائے "ہر گام پہ" چاہیئے۔ ہر ہر قدم غیر فصیح ترکیب ہے۔ جسکی مثال اساتذہ کے کلام میں نہیں نیز مصرعہ چہارم اُلجھا ہوا ہے۔ سلیس نہیں ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

طور مشعل لئے ہر گام پہ اس راہ میں ہے
کبھی خورشید میں ہے فکر۔ کبھی ماہ میں ہے

(۲) صـ۴۰ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے :۔

بادۂ صدق سے لبریز ہے۔ مینائے سخن
چھلکی پڑتی ہے مرے جام سے صہبائے سخن

شاعر عشق رسول کی شاہراہ پر گام زن ہے۔ جامِ دل شراب محبت سے لبریز ہے۔ ایسی صورت میں صدق و صفا۔ زہد و اتقا وغیرہ کی شراب بیکار ہے۔ پس یہاں بادۂ شوق کی ضرورت ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بادۂ شوق سے لبریز ہے مینائے سخن
چھلکی پڑتی ہے مرے جام سے صہبائے سخن

(۴۳) صفحہ پر ذیل کے اشعر مرقوم ہے۔

ضوفگن سینے میں ہے طورِ تجلائے سخن
آج خود محوِ تماشا ہے تماشائے سخن۔

مصرعۂ اول میں "طورِ تجلائے سخن" یعنی سخن کے تجلی کا طور بے معنی اور لغو ہے۔ "تجلائے طورِ سخن" یعنی سخن کے طور کا تجلی چاہیئے تھا۔ شاعر شہنامہ اسلام حصہ اول میں بھی اس قسم کی غلطیاں کر چکا ہے۔ جو شاعر کی قواعد دانی کا نمایاں ثبوت ہے۔ اور تبحرِ علمی کی روشن دلیل ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے شاعر نے اردو زبان بھی باقائدہ حاصل نہیں کی ہے۔ بطورِ خود ادھر ادھر سے چند افسانے اور ناول پڑھ لئے ہونگے۔ فارسی میں وہ اتنا ہی ماہر ہے۔ جتنا کوئی گنوار فلسفہ میں ہو۔

(۴۴) صفحہ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کس کے دربار میں مصروفِ عقیدت ہوں میں
سربسر غوطہ زنِ بحرِ محبت ہوں میں

مصرعۂ اول میں شاعر "مصروفِ عقیدت" لکھتا ہے۔ یعنی شاعر عقیدت کے کام میں لگا ہوا ہے۔ کام ختم نہیں ہوا۔ عقیدہ کامل نہیں ہوا۔ اسلام مکمل نہیں ہوا۔ اسلئے ظاہر ہوا۔ کہ حفیظ ابھی تک راسخ الایمان مسلمان نہیں ہے۔ مصروفِ عقیدت کی بجائے پابندِ عقیدت چاہیئے تھا۔

اصلاح ملاحظہ ہو:۔

کس کے دربار میں پابندِ عقیدت ہوں میں
سربسر غوطہ زنِ بحرِ محبت ہوں میں

اب میں چالیس ۴۰ صفحہ سے ایک سو ایک ۱۰۱ صفحہ کے اشعار کو بلا تنقید چھوڑ دینے پر مجبور ہوں - عجیب قسم کی شاعری ہے ناظرین ہی انصاف کریں - کہ اگر کوئی یوں لکھ دے -

آ پیارے
لا پیارے
گا پیارے

یا اگر زیادہ مہربانی کر کے یوں لکھ دے -

اک دنگل ہے -
یہ جنگل میں
اک منگل ہے -

یا اگر اور زیادہ کرم فرمائی کر کے یوں لکھ دے -

دنیا کا رنگ دیکھو
عقلِ فرنگ دیکھو
گردوں کو دنگ دیکھو

تو اس میں اصلاح کا فائدہ ہی کیا ہے - اور ان کی اصلاح میں ادب کی کونسی خدمت ہے - بہتر یہی ہے - کہ اصل مطلب کی طرف توجہ دی جائے اور قیمتی وقت ضائع نہ کیا جائے -

(۵) صنا پر ذیل کا شعر مرقوم ہے -

اے مصور۔ ایک تصویر اس طرح کی کھینچ دے
بارِ دوشِ بیکسی کوہِ گرانِ زندگی

مصرعۂ دوئم میں 'کوہِ گراں' کی مناسبت کے لحاظ سے 'بیکسی' کی بجائے 'ناتواں' چاہیئے تھا۔ اہلِ ذوق جانتے ہیں کہ یہاں 'بیکسی' بے محل ہے۔ یوں لکھنا بہتر تھا۔

اے مصور۔ ایک تصویر اسطرح کی کھینچ دے
بارِ دوشِ ناتواں کوہ گرانِ زندگی

(۶) صـ ۱۰۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہے مثالِ دُود اپنا عالمِ بود و نبود
یعنی شاخِ شعلہ پر ہے۔ آشیانِ زندگی

عالمِ بُود تو بلاشبہ دُود کے مشابہ ہو سکتا ہے۔ مگر عالمِ نبود نہیں ہو سکتا۔ 'نبود' کی بجائے 'نمود' ہوتا تو شعر میں ایک بات پیدا ہو جاتی۔ یعنی یہ صورت درست تھی۔

ہے مثالِ دود اپنا عالمِ بود و نمود
یعنی شاخِ شعلہ پر ہے آشیانِ زندگی

(۷) صـ ۱۰۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہاں ڈالیوں کے بیچ میں ہوگا وہیں کہیں
وہ ہے جہاں یہ ابر کی سرخی کہیں کہیں۔

ایک بڑھیا اور اُسکی بہو ہلالِ عید دیکھنے کی کوشش کر رہی ہیں بہو نے چاند دیکھ لیا ہے۔ مگر بڑھیا کو نظر نہیں آتا۔ مصرعۂ اول میں 'بیچ' کافی تھا۔ 'میں' حشو ہے۔ مصرعۂ دوئم میں 'یہ' کی بجائے

ہوئے چاہیئے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہاں ڈالیوں کے بیچ ہی ہو گما وہیں کہیں
وہ ہے۔ جہاں ہے ابر کی سرخی کہیں کہیں

۸) صـــ ۱۰۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

تیری طرح سے میں بھی کبھی ہاں جوان تھی
وہ دن بھلے تھے اور بھلی انکی شان تھی

مصرعہ اول میں ہاں حشو ہے حشو نگاری سے بچنے کے لئے ذیل کی صورت اختیار کی جاتی تو بہتر ہوتا۔

تیری طرح سے میں بھی کبھی نوجوان تھی
وہ دن بھلے تھے اور بھلی ان کی شان تھی

۹) صـــ ۱۰۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے وہ بات اب کہاں
وہ شام و صبح اور وہ دن رات اب کہاں

مصرعہ دوئم میں شام و صبح کی بجائے صبح و شام چاہیئے۔ بلا وجہ درست ترکیب کو بگاڑنا غیر فصیح ہے۔ ذیل کی صورت بہتر نظر آتی ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے وہ بات اب کہاں
وہ صبح و شام اور وہ دن رات اب کہاں

نمبر (۲۲)

۱۰) صـــ ۱۱۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بیکس کے عجز کو ملے رتبہ قبول کا!
سن لے مری دعاؤں کو صدقہ رسول کا

مصرعۂ اول میں عجز کی بجائے عرض ہوتا تو بہتر تھا۔

بیکس کی عرض کو ملے رتبہ قبول کا
سن لے مری دعاؤں کو صدقہ رسول کا

(۱۱) صـ ۱۱۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

اب وہ سکونِ یاس نہ وہ اضطراب ہے
سینے میں دل ہے یا کوئی لاشہ مزار میں

مصرعۂ دوئم مذموم اور قبیح ہے۔ انسب یوں تھا۔

اب وہ سکونِ یاس نہ وہ اضطراب ہے
سینے میں میرے دل ہے کہ لاشہ مزار میں

(۱۲) صـ ۱۱۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

اب خاک اڑائیے نہ ہمارے مزار کی
اب خاک بھی نہیں ہے ہمارے مزار میں

دونوں مصرعوں میں اُب کا تکرار اچھا نہیں۔ اس سے بچنے کیلئے ذیل کی صورت اختیار کی جاسکتی تھی۔

کیوں خاک اُڑا رہے ہو ہمارے مزار کی
اب خاک بھی نہیں ہے ہمارے مزار میں

یہاں وہ الفاظ درج کرتا ہوں۔ جو نغمۂ زاریں بار بار مرقوم ہیں۔ اور جن کا استعمال بعض جگہ ناموزونیت ظاہر کرتا ہے۔

اُب - آج - اپنا - یہ
یارب - یا اللہ - الہی - ہاں
ہمنشیں - اس - ہائے - یعنی،

۱۳) ص ۱۱۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

عشق سودا۔ عقل ہے اک ابلہی میرے لئے
کس قدر بے لطف شے ہے زندگی میرے لئے

مصرعۂ دوئم میں "شے" حشو ہے۔ یہاں اس لفظ کی نہ ضرورت ہے اور نہ مجبوری۔ محض بھرتی کا لفظ ہے۔

۱۴) ص ۱۱۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہے تپاکِ اہلِ ظاہر دل لگی میرے لئے
کیونکہ بے معنی ہے لفظِ دوستی میرے لئے

مصرعۂ دوئم میں "لفظ" کی مناسبت کے لحاظ سے کیونکہ کی بجائے "حرف" چاہیئے اس تبدیلی سے شعر کی صورت یوں ہو جائے گی۔

ہے تپاکِ اہلِ ظاہر دل لگی میرے لئے
حرفِ بے معنی ہے لفظِ دوستی میرے لئے

۱۵) ص ۱۱۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہے خوابِ مرگ زندگیٔ تازہ کی دلیل
یہ شام دے رہی ہے نویدِ سحر مجھے

مذکورہ شعر درست ہے۔ مگر مصرعۂ اول کی بجائے مندرجہ ذیل مصرعہ چُست تر ہے۔

ظاہر ہے خوابِ مرگ سے بیداریٔ حیات
یہ شام دے رہی ہے نویدِ سحر مجھے

سخن فہم حضرات جانتے ہیں کہ مذکورہ اصلاح میں "خواب" کے مقابل بیداری اور "مرگ" کے مقابل "حیات" لایا گیا ہے۔ جو یقیناً بہتر

صورت ہے۔

(۱۶) ص ۱۲۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یاس کی بستی میں اک چھوٹی سی امیدِ وصال
اجنبی کی طرح سے پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

مصرعۂ دوئم میں "سے" غلط تو نہیں ہے۔ مگر اجتناب بہتر تھا۔ کیونکہ "اجنبی کیطرح" ادائے مطلب کو کافی تھا۔ نیز "پھرتی ہے" کی بجائے "پھر رہی ہے" چاہیئے تصرف ملاحظہ ہو۔

یاس کی بستی میں اک چھوٹی سی امیدِ وصال
اجنبی سی پھر رہی ہے سخت گھبرائی ہوئی

(۱۷) ص ۱۲۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

میکش چلا ہے شاہدِ رحمت کو ڈھونڈنے
مخمورِ بادۂ عرقِ انفعال ہے

مخمورِ بادۂ عرقِ انفعال یعنی ندامت کے پسینے کی شراب سے مخمور۔ مذکورہ ترکیب سراسر غلط ہے۔ "مخمور بادۂ انفعال" درست ہے۔ "غریقِ عرقِ انفعال" بھی صحیح ہے۔ مگر "مخمورِ بادۂ عرقِ انفعال" ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ مگر شاعر بچارا کیا کرے اس کا مبلغ علم ہی اتنا ہے وہ کیا جانے۔ اضافت کیا چیز ہے۔ مرکبِ اضافی کسے کہتے ہیں۔ استعارہ کس جانور کا نام ہے۔ قواعد پڑھی ہوتی تو ان چیزوں سے آشنا ہوتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

میکش چلا ہے شاہدِ رحمت کو ڈھونڈنے
مخمورِ بادۂ ندم و انفعال ہے

(۱۱۸) صفحہ ۱۲۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

گلزارِ آرزو میں ہیں رنگینیاں بہت
کچھ بھی نہیں۔ حفیظ۔ فریب خیال ہے

شعر زبان کے لحاظ سے بہت پست ہے۔ اہلِ ذوق کو اس شعر میں شعریت نظر نہ آئیگی۔ اگر یوں لکھہ دیتا تو شعر میں سلامت اور روانی پیدا ہو جاتی۔

گلزارِ آرزو کی یہ رنگینیاں۔ حفیظ
کچھ بھی نہیں ہیں۔ دام فریبِ خیال ہے

(۱۱۹) صفحہ ۱۲۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

اوبے نصیب۔ دن کے تصور سے خوش نہو
چولا بدل لیا ہے شبِ انتظار نے

مصرعہ اول میں اوبے نصیب بلا سوچے سمجھے لکھہ دیا گیا ہے۔ موزونیت سے کوسوں دور ہے۔ اسکی بجائے کوتہ نگاہ لکھہ دیتا تو شعر معقول ہو جاتا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

کوتہ نگاہ۔ دن کے تصور سے خوش نہو
چولا بدل لیا ہے شبِ انتظار نے

(۱۲۰) صفحہ ۱۲۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے

آنسوؤں کا ایک خرمن ضبط کے پہلو میں کر
آنکھہ ہے محتاج بیکہ دانے دانے کیلئے

مصرعہ اول میں پہلو کی بجائے دامن چاہیئے تھا۔ اور دوسرا مصرعہ کا ذریعہ دامن ہو یا ہاتھہ۔ دونوں صورتیں صحیح ہیں مگر پہلو صحیح نہیں ہو سکتا۔

درست صورت یہ ہے۔

آنسوؤں کا ایک خرمن ضبط کے دامن میں تھا
آنکھ ہے محتاج لیکن دانے دانے کیلئے

(۲۱) صت ۱۲۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے

اُن کا وعدہ اور مجھے اسپر یقیں۔ اے ہمنشیں
اک بہانہ ہے تڑپنے تلملانے کیلئے

مصرعۂ اول میں "اے ہمنشیں" حشو ہے۔ اس کی بجائے امرِ محال چاہیئے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ان کا وعدہ اور مجھے اس پر یقین۔ امرِ محال
اک بہانہ ہے تڑپنے تلملانے کیلئے۔

(۲۲) صت ۱۲۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کیا گراں خاطر ہے رنجِ انکشافِ رازِ دوست
سینہ پھٹ جاتا ہے۔ غنچے کا صبا کو دیکھکر

مصرعۂ اول میں شاعر نے گراں خاطر کو بارِ خاطر کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ گراں خاطر کے معنی رنجیدہ ہیں۔ شہنامۂ اسلام حصہ اول اور نغمۂ زار کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاعر فارسی زبان سے قطعاً ناآشنا ہے۔ اگر شومئی قسمت سے سکول میں اسے اس جماعت تک پہنچنے کا موقعہ نہیں ملا۔ کہ جہاں سے فارسی کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ تو اس کا فرض تھا۔ کہ ادھر ادھر سے کچھ تو حاصل کر لیتا تاکہ ہم پانچوں سوار دلی سے آئے۔ کا معقولہ اس کی فارسیت اور قواعد پر چسپاں نہ ہوتا۔

نمبر ۲۳

(۲۳) صـــ ۱۳۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ناصح کو بلاؤ مرا ایمان سنبھالے
پھر دیکھ لیا اسنے لگاوٹ کی نظر سے

مصرعۂ دوئم میں پھر دیکھ لیا کی بجائے دیکھا مجھے پھر فصیح اور بلیغ ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ناصح کو بلاؤ مرا ایمان سنبھالے
دیکھا مجھے پھر اسنے لگاوٹ کی نظر سے

(۲۴) صـــ ۱۳۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بے ربطئ فسانہ کا اب تذکرہ ہی کیا
خاموش تم نے کردیا خاموش ہو گئے

مصرعۂ دوئم کی بجائے مصرعۂ ذیل لکھتا تو دلفریبی پیدا ہو جاتی۔

بے ربطئ فسانہ کا اب تذکرہ ہی کیا
خاموشیٔ ۔ تم نے کہہ دیا خاموش ہو گئے

(۲۵) صـــ ۱۳۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

شوخیٔ باد ہوئی باعثِ تعمیر حباب
یعنی ہستی ہی میں رکھا ہے فنا ہو جانا

مصرعۂ اول کی بجائے مصرعۂ ذیل فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بہتر ہے۔

شوخیٔ آب و ہوا۔ باعثِ تعمیر حباب
یعنی ہستی ہی میں رکھا ہے فنا ہو جانا

(۲۶) صفحہ ۱۳۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مبادا پھر اسیرِ دامِ عقل و ہوش ہو جاؤں
جنوں کا اس طرح اچھا نہیں حد سے گزر جانا

مصرعۂ دوئم میں اُس طرح حشو ہے۔ اس طرح کی بجائے اے حفیظ لکھ دیتا تو حشو کی قباحت دور ہو جاتی۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مبادا پھر اسیرِ دامِ عقل و ہوش ہو جاؤں
جنوں کا۔ اے حفیظ۔ اچھا نہیں حد سے گزر جانا

(۲۷) صفحہ ۱۳۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہستیٔ گل کی حقیقت۔ بس یہی اک دو ورق
ہستیٔ بلبل کی حالت۔ بس یہی دو چار پر

مصرعۂ دوئم میں حالت نہایت ذوق خراش واقع ہوا ہے۔

(۲۸) صفحہ ۱۴۰ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مجھ کو لیجا کے درِ یار پہ قاصد نے کہا
خامہ فرسائی نہ کر ناصیہ فرسائی کر

مصرعۂ دوئم غلط ہے۔ قاصد اور حفیظ معشوق کے در دولت پر کھڑے ہیں۔ قاصد کہتا ہے۔ اے حفیظ۔ خامہ فرسائی نہ کر یعنی اس وقت معشوق کو خط لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ناصیہ فرسائی کی ضرورت ہے۔ معمولی سی تبدیلی سے مصرعہ برجستہ ہو سکتا تھا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مجھ کو لیجا کے درِ یار پہ قاصد نے کہا
خامہ فرسائی تو کی۔ ناصیہ فرسائی کر

(۱۲۹) صـــ ۱۴۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

دیکھو یہ دل لگی کہ سرِ رہگزارِ حسن
اک اک سے پوچھتا ہوں مرا دل کدھر گیا

مصرعۂ دوئم میں "دل لگی" کی بجائے "بیخودی" چاہیئے۔ یہاں دل لگی بے محل اور بیہودہ ہے۔ کچھ تصرف سے شعر یوں ہو جائے گا۔

دیکھو یہ بیخودی کہ سرِ رہگذارِ حسن
اک اک سے پوچھتا ہوں مرا دل کدھر گیا

(۱۳۰) صـــ ۱۴۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

پایانِ کار موت ہی آئی بروئے کار
ہم کو تو وصل چاہیئے کوئی بہانہ ہو

مصرعۂ دوئم میں "تو وصل" کی بجائے "وصال" چاہیئے۔ یہاں "وصال" کی موزونیت ظاہر و باہر ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

پایانِ کار موت ہی آئی بروئے کار
ہم کو وصال چاہیئے کوئی بہانہ ہو

(۱۳۱) صـــ ۱۴۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ حسن کہیں عشق کو بیزار نہ کر دے
دنیا کی حقیقت سے خبردار نہ کر دے

مصرعۂ اول میں "یہ" حشو ہے۔ یہاں اس لفظ کی نہ ضرورت ہے اور نہ مجبوری شاعر کی نادانی کا ثبوت ہے۔

(۳۲) صـــ ۱۴۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہزاروں کام جو بگڑے ہوئے ہیں!
مگر شکرِ خدا ہے اور میں ہوں

مصرعہ اول میں "جو" کی بجائے "گو" چاہیئے۔ جو کے معنی اگر یا جب ہو سکتے ہیں۔ یہاں یہ دونوں معنی چسپاں نہیں ہیں۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہزاروں کام گو بگڑے ہوئے ہیں
مگر شکرِ خدا ہے اور میں ہوں

(۳۳) صـــ ۱۴۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

فلک کہتا ہے انساں محو ہے۔ تو آرزوؤں میں
بنا بیٹھا ہے پریوں میں سلیماں۔ دیدہ خواہد شد

مصرعہ اول کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان محض آرزووں میں محو ہے۔ اس کی یہ حالت دیکھکر آسمان اُس پر ہنستا ہے شاعر کا مفہوم مندرجہ ذیل مصرعہ سے مقابلتہً زیادہ واضح اور صریح ہے

فلک کہتا ہے۔ انساں محو ہو لے آرزووں میں
بنا بیٹھا ہے پریوں میں سلیماں۔ دیدہ خواہد شد

نمبر (۲۴)

(۳۴) صـــ ۱۴۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ضعف سے ساری امیدیں خاک میں ملتی گئیں
آہ بے تاثیر۔ نالہ بے اثر ہوتا گیا

شاعر کہتا ہے کہ میں اس قدر کمزور ہو گیا ہوں۔ کہ آہ بے تاثیر اور نالہ بے اثر ہو گیا ہے۔ آہ کا بے تاثیر اور نالہ کا بے اثر ہونا کمزوری کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ ضعف کا نتیجہ آہ کا مفقود ہو جانا ہو سکتا ہے۔ بہر حال یہ شعر غلط ہے۔

(۳۵) صفحہ ۱۵۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

کسی امید پر زندہ رہوں یا گھٹ کے مر جاؤں
وہ کیا کہتے ہیں۔ اے قاصد۔ وہ کیا ارشاد کرتے ہیں

مصرعۂ دوئم کی بجائے مصرعۂ ذیل زیادہ دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔

کسی امید پر زندہ رہوں یا گھُٹ کے مر جاؤں
وہ فرماتے ہیں کیا۔ قاصد۔ وہ کیا ارشاد کرتے ہیں

(۳۶) صفحہ ۱۵۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

روح و تن نے مل کے خود رکھی تھی بنیادِ وصال
یہ خبر کیا تھی فراقِ روح و تن ہو جائے گا

مصرعۂ دوئم میں "یہ خبر کیا تھی" غیر فصیح ہے۔ اہل نظر پر یہ بات روشن ہے۔ کہ حفیظ کا مصرعۂ دوئم کس قدر فضول ہے۔

اصلاح ملاحظہ ہو۔

روح و تن نے مل کے خود رکھی تھی بنیادِ وصال
کیا خبر تھی۔ افتراقِ روح و تن ہو جائے گا

(۳۸) صـ۱۵۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہی ہے حشر تو اس ساحری کو کون مانیگا
کہ جھٹلاتے ہیں خود میری زباں میرا بیاں ہو کر

مذکورہ شعر میں خداوند عالم کو ساحر قرار دیا گیا ہے۔ ایسی شوخی نازیبا ہے۔ اگر شاعر کے دل میں کچھ بھی احکام شرعیہ کی حرمت ہوتی تو ایسی گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ یہی وہ شاعری ہے۔ جو شرعاً ممنوع ہے۔

(۳۹) صـ۱۵۶ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

دیدوں نے کھوئی ضبطِ محبت کی آبرو
کم بخت ان کے سامنے نمناک ہو گئے

دیدوں متروک ہے۔ اس لفظ نے اس شعر کو غیر فصیح بنا دیا ہے۔

(۴۰) صٓ ۱۵۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

قیس و فرہاد پہ موقوف نہیں۔ کیا معلوم
دربدر کس کو پھرائے ہوسِ خام ابھی

مذکورہ شعر شاعر کا مفہوم ادا نہیں کر سکا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

قیس و فرہاد پہ موقوف نہیں۔ کس کس کو
دربدر دیکھیں پھرائے ہوسِ خام ابھی

(۴۱) صٓ ۱۵۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مذاقِ اہلِ بینش پر ہنسی آتی ہے اب مجھکو
کہ برہم خندۂ گل سے مزاجِ باغباں تک ہے

مصرعہ اول کا اب از قبیلِ حشویات ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

مجھے کیا کیا ہنسی آتی ہے ذوقِ اہلِ بینش پر
کہ برہم خندۂ گل سے مزاجِ باغباں تک ہے

(۴۲) صٓ ۱۵۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بہ چلا ہے اشکِ حسرت ہاں مدد اے ابرِ یاس
یہ بھی اک دانہ ہے میرے خرمنِ برباد کا

مصرعہ اول میں ہاں بدنما اور بھونڈا ہے۔ اگر حفیظ اس لفظ کی بدنمائی کو محسوس نہ کر سکے تو اور بات ہے۔ ہاں مدد کی بجائے المدد چاہیے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بہ چلا ہے اشکِ حسرت المدد اے ابرِ یاس
یہ بھی اک دانہ ہے۔ میرے خرمنِ برباد کا

(۴۳) صـ ۱۵۹ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہو نہ احساس اسیری تو رہائی ہے محال
ایسے قیدی نام تک لیتے نہیں میعاد کا

مصرعہ دوئم چہرۂ سخن پہ خوشنما خال کا حکم رکھتا ہے۔ سبحان اللہ مصرعہ ہے کہ گوہرِ بے بہا ہے۔ اب تو میرا دل بھی حفیظ کی قدرتِ کلام کا لوہا مان گیا ہے۔

(۴۴) صـ ۱۶۰ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

میں وہ برگِ خزاں دیدہ ہوں اس گلزارِ ہستی میں
بگولے جس کے شائق جس پہ عاشق بادِ صرصر ہو

مصرعۂ اول میں اُس بلاضرورت ہے۔ نیز مصرعۂ دوئم میں شائق کی بجائے شیدا بجا ہے۔ کیونکہ اسی مصرعہ میں عاشق کا لفظ موجود ہے۔ جو اس بات کا مقتضی ہے۔ کہ اس کے ساتھ جو دوسرا لفظ لایا جائے۔ اس سے ایسا ہی مطلب مترشح ہو جو لفظ عاشق سے ہوتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

میں وہ برگِ خزاں پامال ہوں گلزارِ ہستی میں۔
بگولے جس پہ شیدا۔ جس پہ عاشق بادِ صرصر ہو

(۴۵) صـ ۱۶۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

نہ جب تک جلوہ کن واقفِ قندیلِ امکان تھا
نہ یوں صورت سے روشن تھا۔ نہ یوں معنی میں پنہاں تھا

مصرعہ اول میں واقف ادائے مطلب سے قاصر ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو

نہ جب تک جلوہ کن نور بار بزم امکان تھا
نہ یوں صورت سے روشن تھا نہ یوں معنی میں پنہاں تھا

(۴۶) صفحہ ۱۶۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے

غضب کا عبرت افزا انقلابِ چرخِ گرداں تھا
ابھی اک شور برپا تھا ابھی اک ہُو کا میداں تھا

مصرعہ دوئم میں "شور برپا تھا" کی بجائے "شورِ محشر" ہوتا تو مصرعۂ ثانی کا پہلا حصّہ بھی ویسا ہی پُر زور ہو جاتا جیسا دوسرا ہے اور شعر کی صورت یوں ہوتی۔

غضب کا عبرت افزا انقلابِ چرخ گرداں تھا
ابھی اک شورِ محشر تھا ابھی اک ہُو کا میداں تھا

(۴۷) صفحہ ۱۶۲ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بتوں کے عشق میں کیونکر پھنسا۔ اب یہ خدا جانے
بظاہر تو ہمارا دل بڑا پکا مسلماں تھا

مصرعۂ اول میں "اب" حشو ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

پھنسا عشقِ بتاں میں دل مرا کیونکر۔ خدا جانے
بظاہر تو نمازی تھا بڑا پکا مسلمان تھا

(۴۸) صفحہ ۱۶۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

بہارِ آرزو کیسی۔ خزانِ یاس کے دن ہیں
ہمارا خطۂ دل۔ ہاں۔ کبھی گلشن بداماں تھا

مصرعۂ دوئم میں "ہاں" لغو اور بیہودہ ہے۔ "ہاں" کی بجائے "کبھی" چاہیئے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بہارِ آرزو کیسی۔ خزانِ یاس کے دن ہیں
ہمارا خطۂ دل بھی کبھی گلشن بداماں تھا

(۴۹) ص ۱۶۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

مجھے برہم سمجھ کر ہجو سے کوئی گیا واعظ
وگرنہ آج میرا ہاتھ تھا اس کا گریباں تھا

مذکورہ شعر کے دونو مصرعے غلط ہیں۔ شاعر کی بے علمی کا ثبوت ہیں۔ مصرعہ اول میں "مجھے برہم سمجھ کر" غلط ہے۔ "مجھے برہم سمجھ کر" کی بجائے "مجھے برہم دیکھ کر" چاہیئے۔ مصرعۂ دوئم میں "تھا" کی بجائے "اور" چاہیئے اصلاح ملاحظہ ہو۔

مجھے دیکھا جو برہم۔ ہجو سے کوئی گیا واعظ
وگرنہ آج میرا ہاتھ اور اس کا گریباں تھا

(۵۰) ص ۱۶۴ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

ہے ابھی دور۔ بہت دور ہماری منزل
دشتِ وحشت تو ہے اک راہ کا کانٹا ہم کو

مصرعۂ اول میں "جنوں" کا استعمال نہایت ضروری ہے۔ ورنہ مصرعۂ دوئم کا "دشتِ وحشت" معنی خیز ثابت نہ ہوگا۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہے ابھی دور۔ جنوں۔ دور ہماری منزل
دشتِ وحشت تو ہے۔ اک راہ کا کانٹا ہم کو

نمبر (۲۵)

(۵۱) ص ۱۶۵ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

باایں ہمہ کہولت۔ یہ پھیر زالِ دنیا
پیچھے پڑی ہوئی ہے ہر ایک نوجواں کے

مصرعۂ اول میں بااین ہمہ تقاضا کرتا ہے۔ کہ اس کا موصوف ضعیفی ہو۔ کہولت غلط ہے۔ کیونکہ کہولت عمرِ میانہ کو کہا جاتا ہے۔ جب انسان جوانی اور بڑھاپے کے درمیان ہوتا ہے۔ مصرعۂ دوئم حد درجہ قبیح ہے۔ اور مقتضیاتِ تہذیب و اخلاق کے خلاف ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

بااین ہمہ ضعیفی۔ یہ پیرزال دُنیا
دم خم نکال دیتی ہے ہر ایک نوجواں کے

(۵۲) صـ ۱۶۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

دنیا کے حسن و عشق میں یہ امتیاز ہے
اک ہے نیاز مند تو اک بے نیاز ہے۔

مصرعۂ دوئم میں ذرہ سی تبدیلی کردی جاتی تو اس میں سلاست اور روانی پیدا ہو جاتی۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

دنیا کے حسن و عشق میں یہ امتیاز ہے
ہے اک نیاز مند تو اک بے نیاز ہے

(۵۳) صـ ۱۶۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

لحاظِ خاطرِ احباب دیرینہ ہے۔ اے زاہد
چلوں کیا سوئے مسجد۔ راہ میں میخانہ آتا ہے

مصرعۂ اول میں لحاظ سقیم اور غیر فصیح ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہے پاسِ خاطرِ احباب دیرینہ مجھے۔ زاہد
چلوں کیا سوئے مسجد۔ راہ میں میخانہ آتا ہے۔

(۵۴) صـ ۱۶۸ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ کس کی جستجو میں آج مجنوں بن گئی لیلیٰ
یہ کیا ہے آج ناقہ جانب میخانہ آتا ہے۔

لیلیٰ کو بحالتِ جنوں میخانہ کی طرف لانا غلط ہے۔ لیلیٰ کا بحالت دیوانگی صحرا کو جانا درست تھا۔ نیز دونوں مصرعوں میں "یہ" کا تکرار مذموم ہے۔ اور اگر لیلیٰ کو جانبِ میخانہ ہی لانا منظور تھا۔ تو یہ اصلاح ضروری تھی۔

ہے کس کی جستجو میں آج مخمورِ جنوں لیلیٰ
یہ کیا ہے آج ناقہ جانبِ میخانہ آتا ہے

اور اگر اسی شعر کو بہ اختلافِ مضمون ادا کرنا مقصود ہو تو صورتِ ذیل انسب ہوگی

دعا کس بادہ خوارِ پاک دل کی رنگ لائی ہے
کہ زاہد بیخودی میں جانبِ میخانہ آتا ہے۔

(۵۵) صفحہ ۱۷۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

چھیڑو نہ میٹھی نیند میں۔ اے منکر و نکیر
سونے دو بھائی۔ میں تھکا ماندہ ہوں راہ کا

مصرعۂ دوئم میں "بھائی" غایت درجہ قبیح اور مذموم ہے۔ جو شاعر کی کور ذوقی کا آئینہ ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

چھیڑو نہ میٹھی نیند میں۔ اے منکر و نکیر
سو لینے دو کہ میں تھکا ماندہ ہوں راہ کا

(۵۶) صفحہ ۱۷۱ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

دل لینے والی بات ابھی دل سے پوچھئے
مالک یہی ہے میرے سفید و سیاہ کا

مصرعۂ اول کو مصرعۂ دوم سے چنداں ربط نہیں ہے۔ یوں بھی تعقید
اور غریب ہے۔ سفید اور سیاہ کی مناسبت کے لحاظ سے ذیل
کی اصلاح موزوں ہو گی۔

یہ دل سے پوچھ۔ کٹتے ہیں دن رات کسطرح
مالک یہی ہے میرے سفید و سیاہ کا

(۵۷) صا۱۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

دل میں کھنچا ہے۔ نقشۂ توحید۔ اے حفیظ
نعرہ ہے لب پہ اشہدان لا الہ کا

اس شعر میں بھی وہی قباحت ہے۔ جو اس سے پہلے شعر میں تھی۔
یعنی دونوں مصرعوں کا باہمی ارتباط مفقود ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

دل گونجتا ہے نغمۂ وحدت سے۔ اے حفیظ
نعرہ ہے لب پہ اشہدان لا الٰہ کا

(۵۸) صا۱۷ پہ ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

قہر آلودہ ہے۔ چشمِ ساقئ مستانہ آج
ہو گیا لبریز کس کی عمر کا پیمانہ آج

چشمِ ساقئ مستانہ یعنی مستانہ ساقی کی آنکھ۔ سبحان اللہ۔
کیا زباں دانی ہے۔ تعجب ہے کہ شاعر معمولی اضافت کا صحیح استعمال بھی
نہیں جانتا۔ مجھے تو اس کی تصانیف پڑھکر ذیل کا شعر بار بار یاد
آتا ہے۔

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

چشم ساقیٔ مستانہ کی بجائے چشمِ مستانۂ ساقی چاہیئے تھا۔
یعنی مستانہ ساقی کی آنکھ کی بجائے ساقی کی مستانہ آنکھ چاہیئے
تھا۔ نیز قہر آلودہ سے غضب آلودہ بہتر ہے۔ ناظرین انصاف کریں
کہ جس شاعر کو قواعد کی کوئی بات بھی نہ آتی ہو۔ وہ زبان کے
حق میں کہاں تک مفید ہو سکتا ہے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

ہے غضب آلودہ اسکی نرگسِ مستانہ آج!
ہو گیا لبریز کس کی عمر کا پیمانہ آج

(۵۹) صفحہ ۱۶۳ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

یہ کس خورشید رو نے اپنے چہرے سے نقاب الٹا
یہ کس کے پرتوِ رخ نے لگا دی آگ محشر میں

مصرعہ اول میں اپنے لغویت اور بیہودگی کا ثبوت ہے۔ حفیظ کا خیال
ہو گا۔ کہ اگر یہاں اپنے نہ لکھا تو ایسا نہ ہو کہ معشوق کسی اور شخص
کے چہرے سے نقاب الٹ دے۔ نیز مصرعہ دوم میں پرتو کی بجائے
جلوہ چاہیئے۔ اصلاح ملاحظہ ہو۔

یہ کس خورشید طلعت نے ہے چہرے سے نقاب الٹا
یہ کس کے جلوۂ رخ نے لگا دی آگ محشر میں

(۶۰) صفحہ ۱۶۷ پر ذیل کا شعر مرقوم ہے۔

پھر بھی رواں ہے جانب ساحل جہازِ عمر
لنگر ہا کوئی نہ کوئی بادباں رہے

مصرعہ دوم میں کوئی حرف تاکید ہے۔ اسکا مؤکد بادبان صیغہ جمع میں ہونا
چاہیئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ (گوشہ نشین)